

پندرہ روزہ معارف فخر

کراچی

سید شاہد ہاشمی

MA'ARIF FEATURE

ناصب مدیران: مفتی ظفر خاں، سید سعیج اللہ حسینی، نوینون - معاون مدیران: غوث الدین، محمد عبید قادری
ڈی - ۳۵، بلاک - ۵، فیڈرل بی ایریا، کراچی - ۷۵۹۵۰
نوں: ۰۳۲۳۲۹۸۴۰ - ۰۳۲۸۰۹۲۰ (۹۲-۲۱)

مرکزی پاٹ: www.irak.pk، وہب گاہ: irak.pk@gmail.com

امریکا اور یورپ: فرق ہے داش کا!

Stephan Richter

امريکا اور یورپ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ امریکی سیاست آج بھی عدم اتحاد اور بے عقلی پر بنی رحمات کا مرقع ہے جبکہ یورپ کی سیاست میں داش نمایاں ہے۔ امریکی سیاسی تائیدیں بڑھ کر مارنے کی سطح سے بلند نہیں ہو پا رہے جبکہ یورپ میں حقیقی داش کا مظہر کراپنے والے اقدامات سب کے سامنے ہیں۔ امریکا اب تک حقیقی فلاحتی ریاست بننے کی منزل سے بہت دور ہے جبکہ یورپ کے متعدد ممالک حقیقی فلاحتی ریاست میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ امریکا میں آج بھی سیاست کے نام پر لوگوں کے حقوق غصب کیے جا رہے ہیں۔ یورپ میں نہادی حقوق کی پاس داری اب سیاست دانوں کے لیے اولین ترجیح کا درجہ رکھتی ہے۔

یورپ میں فیصلہ سازی کا مرحلہ تجوڑا سماجی تحریک ہو گیا ہے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ یورپی یونین نے امریکا کا مشتمل کے لیے کسی بھی انتہا سے مثالی یا قابل ترجیح نہیں۔ اس حقیقت کو بھی کسی کی خروجی کی ضرورت ہے کہ امریکا میں فیصلے تیزی سے تو کر لیے جاتے ہیں مگر ان میں معمولیت اور داش کم ہی پائی جاتی ہے۔ وفاقی سطح پر جو کچھ بھی سوچا جاتا ہے وہ تمام ریاستوں کی خواہش، ہر ضریب رارے کا آئینہ وار نہیں ہوتا۔

امریکا میں آج بھی اندر وطنی سطح پر غیر معنوی انتشار پایا جاتا ہے۔ دنیا کا طاقتور ترین ملک ہونے کے ناطے امریکا دنیا بھر کے باصلاحیت افراد کے لیے مسکن کا درجہ رکھتا ہے۔ اقتصادی و مالیاتی معاملات پر مصروف ہونے کی بدولت امریکا

- ۱۔ معارف فیض ہر ماہ کی کم اور سول نارنجیوں کو شائع کیا جاتا ہے۔ اس میں دنیا بھر سے (ہمیں) دستیاب ایسی معلومات کا اختیاب پیش کیا جاتا ہے، جو اسلام سے وجہی اور ملت اسلامیہ کا درد رکھنے والوں کے غور فکر کے لئے اہم یامغاید ہو سکتی ہیں۔
- ۲۔ پیش کیا جانے والا لوازم بالعلوم بلا تصور شائع کیا جاتا ہے۔ کسی مضمون، نقطۂ نظر، خیال یا معلومات کا اختیاب کی وجہ سے ہمارا تقاضہ نہیں، اس کی اہمیت ہوتی ہے۔ کسی مضمون یا معلومات کی مدد تردد یا اس سے اختلاف پیش کیا جاوے کو بھی جگہ دی جا سکتی ہے۔
- ۳۔ معارف فیض کو ہر بہتر بانے کے لیے مفید معلومات کے حصوں یا ان کے ذریعہ تک رسائی میں آپ کی مدد کا خیر مقصد کیا جائے گا۔
- ۴۔ ہمارے فرائم کردہ لوازے کے مرید، لیکن غیر جاری ابلاغ کی عام اجازت ہے۔
- ۵۔ معارف فیض کی کوئی قیمت مقرر نہیں۔ تاہم عطیات کی ضرورت بھی رکھتی ہے اور عطیات قبل بھی کیے جاتے ہیں۔ اسلامک دیسروچ اکیڈمی کو اچی

نے اپنے باشندوں کے لیے عمومی سطح پر ایک اچھا معاشرہ زندگی پیشی بانے رکھتے ہیں، بہت حد تک کامیابی حاصل کی ہے۔ امریکی معاشرے میں قابلی اور علاقائی نباد پر پہنچے والی عصیت آج بھی پائی جاتی ہے۔ یہ سب کچھ دباؤ ہو گئے۔ جیسے ہی موقع ملے گا، دبی ہوئی ہر حقیقت سامنے آجائے گی۔ انتہا پسندی امریکی معاشرے کا عمومی مراجع ہے۔ فی الحال یا انہا پسندی سیاسی نوعیت کی ہے۔ کل کوئی انہی پسندی تسلی، علاقائی اور قابلی عصیت کے لبادے میں بھی کھل کر سامنے آجائے گی۔ سوال صرف حالات لمحی متوالی کے پیدا ہونے کا ہے۔ یورپی ریاستیں بھی ایک طویل مدت تک جنگ وجدل سے دوچاری ہیں۔ جنگ کیا ہوتی ہے اور کیسے تم ڈھاتی ہے، یہ دعویٰ ہم گوں کا جھوگ بننے والے یورپ سے زیادہ کوں جانتا ہو گا؟ حقیقت یہ ہے کہ یورپ نے جنگ وجدل کی تاریخ سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد بھی یورپ کے مسائل کم نہیں ہوئے۔ اس نے سر جنگ کا عذاب بھی جھیلا اور امریکا بھی پر پور کا ساتھ دیئے کی پادشاہ میں بھی، بہت سے مسائل اُس سے جڑے رہے۔ یہ یکیفیت کسی حد تک اب بھی

اندر وطنی صفات پر:-

- مقبوضہ کشمیر میں اب موت کا خوف نہیں!
- پروفیسر خورشید احمد کا انزو یو
- مسلم دنیا میں قیادت کا فقدان ---
- بھارتی معیشت کا بحران!
- کمیش امنی "امیرون" کے مقابل
- بیروت دھماکا: پی اسرائیلی اور آگ کے شعلے
- "پاپلرزم" - بے جیلن جمہوریت؟
- کراچی کا الیہ؟

کے منصوبوں پر کم سے کم خرچ کرنا پڑے۔ ڈیکور نیشن جمہوریت پسندی کے ناطے یہ چاہتے ہیں کہ عوام کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں میرا ہوں۔ ریپبلکن اس معاملے میں اُن کی نہ صرف یہ کہ مدد نہیں کرتے بلکہ راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں۔ ریپبلکن دفاع پر زیادہ سے زیادہ خرچ کرتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ کوئی نکوئی جگہ چھڑی رہے اور جگلی مشین بندہ ہو۔ دوسری طرف وہ انتہائی مالدار طبقے کو ٹکسوں کے معاملے میں زیادہ سے زیادہ سہولتیں دینے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ ایک طرف تو منتخب ایوانوں میں کیے جانے والے فیصلے ہیں اور دوسری طرف امریکی پریم کورٹ بھی اکثری پبلکن پارٹی کے بازو کی حیثیت سے کام کرتی ہے۔ اس کے تینے میں عوام کے حق میں کیے جانے والے فیصلے لگھتے جاتے ہیں۔

سابق امریکی نائب صدر جو بائیڈن صدارتی امیدوار کی حیثیت سے دو ہزار ارب ڈالر سے زائد مالیت کا ایسا پیچیج پیش کرچکے ہیں، جس کا بنیادی مقدمہ ملک کو ماحول کے شدید مغلی اڑات سے محفوظ رکھتا ہے۔ ریپبلکن ان کی راہ میں بھی رکاوٹیں کھڑی کریں گے۔ جو بائیڈن کے لیے بھی کام کرنا تباہی دشوار ہو گا جتنا براہ اک اباما کے لیے تھا۔ اباما کو ملک کا بنیادی ڈھانچا مضبوط بنا لئے ہے اور دشوار یوں کا سامنا کرنا پڑا تھا اور جو بائیڈن کو ماحول کے مغلی اڑات کا سامنا کرنے میں بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ریپبلکن سے جس نوعیت کی مدد درکار ہے وہ نہیں حاصل نہ ہو سکے گی۔ جو بائیڈن نے جو پیچیج پیش کیا ہے اس کے تینے میں ملازمت کے لاکھوں موقع بھی ییدا ہوں گے۔ ریپبلکن مژاہم ہوں گے اور یوں خرابیاں برقرار رہیں گی۔ الیہ یہ ہے کہ ریپبلکن نے ہر دور میں میشیست کا پیہہ جام کرنے کی کوشش کی ہے اور ہر دور میں انہیں متوسط طبقے کی حمایت حاصل رہی ہے۔ جو ریپبلکن کے پیدا کردہ معماشی بحران سے سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ ریپبلکن صدور ہمیشہ اخنائی مالدار امریکیوں کے معاملات کا تخفیفیتی بنا کے لیے لڑتے آئے ہیں مگر عوام پھر بھی ان کے طرف دار رہے ہیں۔

یورپی یونین آج بھی بہت سی انجمنوں سے دوچار ہے۔ فیصلوں میں تاخیر ہوتی ہے اور مسائل بڑھتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود ایک حقیقت بالکل عیا ہے کہ عوام کے مفاد کو کسی بھی حال میں داک پکنے نہیں دیا جاتا۔ یورپی تاکیدیں اول آخر اس سنتی کو اہم قرار دیتے ہیں کہ عوام کی مشکلات کم ہونی چاہیں، اور یہی یورپی یونین کا سب سے بڑا پلاس پوائنٹ ہے۔

(ترجمہ: محمد ابراء خان)

"The US and the EU: A tale of two continents".
("The Globalist". July 23, 2020)

ہو رہے ہوتے ہیں تب ان کی طرف سے مراجحت کا گراف بلند ہو جاتا ہے۔ یہ کیفیت ہر دور میں رہی ہے۔ کرونا وائرس کی وبا کے ذریعے میں راک ڈاکن کافیلہ تیزی سے کریا گیا۔ وفاقد سطح پر اسی نوعیت کے فیصلے تیزی سے کے جاسکتے ہیں۔

۰۹۰۸-۰۹ء کے مالیاتی بحران کے دوران اس وقت کے امریکی صدر براہ اک اباما نے ملک کو معماشی بحران کی رو سے نکالنے پر توجہ دی اور بنیادی ڈھانچے پر غیر معمولی فذ خرچ کرنے کی تیاری کی۔ ماہرین کو اندازہ تھا کہ امریکا میں بنیادی ڈھانچا کمزور ہو چکا ہے۔ معماشی استحکام لینی بنا نے کے لیے بنیادی ڈھانچے کو اپ گریڈ کرنا لازم تھا۔ اس کے لیے ہزاروں ارب ڈالر درکار تھے۔ وفاقد سطح پر یہ کوئی آسان فیصلہ نہ تھا۔ ریاستیں ہر معاملے میں وفاق کے ساتھ چلنے کے لیے تیار رہیں۔ سوال ریاستی معاملات کے داک پر لگنے کا تھا۔ کسی بھی ملک میں اس نوعیت کی سرمایہ کاری ناگزیر بھی جاتی ہے۔ اگر کوئی اور ملک ہوتا تو بنیادی ڈھانچے کو مختتم تر کرنے کے لیے مطلوب فذ نہ کا اہتمام کرنا زیادہ دشوار نہ ہوتا۔ مگر امریکا میں ایسا کرنا آسان نہ تھا۔ تب ڈیکور نیشن کو پر غیر معمولی فذ نہ کے اسٹیٹ سو شل ازم کو فروغ ملے گا!

امریکا میں ریپبلکن نے خود کو زیادہ سے زیادہ وفادار ثابت کرنے کی کوشش کی ہے مگر ناکام رہے ہیں۔ ریپبلکن نے مذہب کا بھی سہارا لیا ہے۔ ریپبلکن وطن پرست ہونے کے دوسرے کرتے ہیں اور اس سلسلے میں بڑھنی بھی بہت مارتے ہیں مگر جب حقیقی بہو و عامہ کی بات ہوتی ہے تب وہ فذ نہ کے معاملے میں پیچھے ہٹت جاتے ہیں۔ **۰۹۰۸-۰۹**ء کے مالیاتی بحران سے شلنگ کے سلسلے میں براہ اک اباما نے جو اقدامات کے ان کی راہ روکنے سے متعلق ریپبلکن کی کوششیں اب رنگ لارہی ہیں۔ امریکا کو شدید پیغام دیتی ہے۔ اس حوالے سے پالیسی سازوں پر دباؤ کم سے کم ہونا چاہیے۔ یہی سبب ہے کہ یورپی پارلیمنٹ پورے برائیضم کے معاملات کے لگنگاں سمجھے جانے والے ہر فیصلے کو مطلوب اہمیت دیتی ہے۔ بحث و تجویض پر اچھا خاصاً وقت صرف کیا جاتا ہے۔ کوشش کی جاتی ہے کہ معاملات آخر تک ہاتھ میں رہیں اور کوئی بھی ایسا فیصلہ نہ کیا جائے جس پر بعد میں زیادہ پچھتا ناپڑے۔ پالیسی کے معاملے میں بھی بھی ہوتا ہے۔ کوئی بھی پالیسی علت میں تیار نہیں کی جاتی۔ اس نکتے پر خوب غور کیا جاتا ہے کہ کسی بھی پالیسی کا مستقبل بعید کے معاملات پر لیا اثر مرتب ہو سکتا ہے۔

ایسا نہیں کہ امریکا میں کسی بھی کچھ بہت آسانی سے مظہور کریا جاتا ہے۔ وفاقد بحث کی مظہوری میں وقت لگاتا ہے اور خاصی دقت بھی پیش آتی ہے۔ امریکا میں بھی سخت فیصلے کرنا آسان نہیں عوام پر زیادہ سے زیادہ ٹکسوں کا یو جھلادا جائے اور سب سو و عامہ کی حوصلہ ریاستیں مراجحت کرتی ہیں۔ جب ان کے معاملات متاثر

ہے۔ یورپی یونین نے اپنا راستہ الگ کر لیا ہے۔ امریکا چاہتا ہے کہ یورپ ہر معاملے میں اس کا ساتھ دے اور دنیا کو چلانے کے حوالے سے اُس کے غلط اقدامات کی بھی بھر پر حمایت کرے۔ یورپ سمجھ چکا ہے کہ اپنا کہنا خود کشی کے مترادف ہو گا۔ باقی دنیا جاگ اٹھی ہے اور تیزی سے طاقت بھی حاصل کرتی جا رہی ہے۔ ایسے میں اگر امریکا کا ساتھ دینے کا عمل جاری رہا تو باقی دنیا مل کر امریکا کے ساتھ یورپ کو بھی اتنا پر رکھے گی۔ یورپی یونین اب سب سے زیادہ ترجیح مالیاتی استحکام کو دیتا ہے۔ کرونا وائرس کی وبا کے ہاتھوں پوری دنیا کو شدید نقصان سے دوچار ہوا پڑا ہے۔ یورپی یونین کو بھی اتنا حاصل نہیں رہا۔ یورپی قائمکریں نے معماشی بحالی کا عمل تیز کرنے پر توجہ دی ہے۔ حالیہ یورپی صدر رہا کافرنس میں مالیاتی استحکام کو اولین ترجیح کا درجہ حاصل رہا۔ طے کیا گیا ہے کہ سات سال تک سب سے زیادہ اہمیت مالیاتی بحالی کو دی جائے گی۔ یورپی یونین کے تمام ممالک اس نکتے پر متفق ہیں کہ معماشی اور مالیاتی استحکام ہی کو اولین ترجیح کا درجہ حاصل رہے گا۔

یورپ نے معاملات کو درست کرنے کا نہر سیکھ لیا ہے۔ جو کچھ دوسرے بہت سے معاملوں میں ہوتا ہے وہی کچھ یورپی معاملوں میں بھی ہوتا ہے۔ ہر اس فذ نہ کے اسٹیٹ سو شل ازم کو فروغ ملے گا! امریکا میں ریپبلکن نے خود کو زیادہ سے زیادہ وفادار ثابت کرنے کے لیے حلیف بد لئے کا عمل بھی جاری رہتا ہے۔ اور بھی بہت سمجھ ہوتا ہے مگر آخر میں سب کچھ درست ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ سب سے زیادہ اہمیت اس نکتے کو دی جاتی ہے کہ یورپ کا جمیعی مفاد ہر حال میں اولیت کا حامل رہنا چاہیے۔ یورپ کے عوام بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ تو یہ معاملات کے لگنگاں سمجھے جانے والے فیصلے آسانی سے نہیں ہو پاتے۔ اس حوالے سے پالیسی سازوں پر دباؤ کم سے کم ہونا چاہیے۔ یہی سبب ہے کہ یورپی پارلیمنٹ پورے برائیضم کے معاملات کے لگنگاں سمجھے جانے والے ہر فیصلے کو مطلوب اہمیت دیتی ہے۔ بحث و تجویض پر اچھا خاصاً وقت صرف کیا جاتا ہے۔ کوشش کی جاتی ہے کہ معاملات آخر تک ہاتھ میں رہیں اور کوئی بھی ایسا فیصلہ نہ کیا جائے جس پر بعد میں زیادہ پچھتا ناپڑے۔ پالیسی کے معاملے میں تاخیر ہوتی ہے۔ کوئی بھی پالیسی علت میں تیار نہیں کی جاتی۔ اس نکتے پر خوب غور کیا جاتا ہے کہ کسی بھی پالیسی کا مستقبل بعید کے معاملات پر لیا اثر مرتب ہو سکتا ہے۔ ایسا نہیں کہ امریکا میں کسی بھی کچھ بہت آسانی سے مظہور کریا جاتا ہے۔ وفاقد بحث کی مظہوری میں وقت لگاتا ہے اور خاصی دقت بھی پیش آتی ہے۔ امریکا میں بھی سخت فیصلے کرنا آسان نہیں عوام پر زیادہ سے زیادہ ٹکسوں کا یو جھلادا جائے اور سب سو و عامہ کی حوصلہ ریاستیں مراجحت کرتی ہیں۔ جب ان کے معاملات متاثر

مقبوضہ کشمیر میں اب موت کا خوف نہیں!

ترک میڈیا سے پروفیسر خورشید احمد کی گفتگو

تحریک مراجحت کا بیل کپ ہے، آپ کا کیا مشاہدہ ہے، آزاد کشمیر حکومت اور سیاسی جماعتوں کا کرو دار اس حوالے سے کیا ہے؟ پروفیسر خورشید احمد: آزاد کشمیر کی حکومت کو اجازت دینی چاہیے کہ وہ اپنے حقوق کے لیے حکمت عملی ترتیب دے سکتی۔ آزاد کشمیر کے وزیر اعظم اور صدر دنوں ہی باصلاحیت اور اچھی شہرت کے حامل ہیں۔ آزاد کشمیر کی سیاسی جماعتوں کو اپنی سیاسی وابستگیوں سے بالاتر ہو کر بیکجا ہونا چاہیے اور ایک قومی حکومت تکمیل دینی چاہیے اپنی سیاسی شناخت کو برقرار رکھتے ہوئے، اپوزیشن میں ہوتے ہوئے، انہیں مفہوم طور پر کامل یکسوئی کے ساتھ آزادی کشمیر کے لیے مشترک جدوجہد کرنی چاہیے۔ آزاد کشمیر کی حکومت کو اداروں کے استحکام اور عوام کی خدمت کے حوالے سے مثالی ہونا چاہیے۔ پاکستان کی سیاست کو کسی طور پر بھی کشمیر کے اندر ونی معاملات میں دخیل نہیں ہونا چاہیے۔ سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بخش وہ بیٹھنے ہیں جھوٹوں نے آزاد کشمیر کی سیاست میں پاکستان کی سیاسی جماعتوں کو واصل کیا۔ گزشتہ ۲۸ برسوں کے تجربات نے ثابت کر دیا ہے، آزاد کشمیر میں پاکستانی سیاست کے اثر و نفعوں نے تحریک آزادی کشمیر کو خاص انقصان پہنچایا۔ پاکستان کی تمام سیاسی جماعتوں کو ۱۹۷۲ء سے پیشتر اختیار کی جانے والی حکمت عملی کی طرف واپس لوٹ آنا چاہیے۔ یہاں جماعت اسلامی پاکستان کا ذکر ضروری ہے، جس نے جماعت اسلامی آزاد کشمیر کے معاملات میں کبھی مداخلت نہیں کی۔ اگرچہ دونوں جماعتیں نام کے اعتبار سے یہاں ہیں لیکن عملی طور پر ہر پہلو سے الگ ہیں۔

اناطولا لیجننسی: پاکستان میں کشمیر کیتھی ہمیشہ تناریع رہی ہے، آپ کا اس ادارے کے حوالے سے کیا خیال ہے؟

پروفیسر خورشید احمد: گزشتہ دہائیوں سے کشمیر کیتھی کی کارکردگی ماپوں کی ہے۔ موجودہ حکومت بھی تاحال اس ادارے کو فعال اور موثر کرنے میں ناکام رہی ہے۔ تاہم کیتھی ملک کے اندر اور یہودی ملک اہم کروادا کر سکتی ہے اور اسے کرنا چاہیے۔ اس ادارے کا سربراہ ایک باصلاحیت، باعلم اور فعال شخص کو ہونا چاہیے، جو پورے عزم کے ساتھ موجودہ حالات کے ناظر میں ملکی اور عالمی سطح پر اس کی کوچیں کر سکے۔ میری تجویز ہے کشمیر کیتھی کا ایک خصوصی مشیر ہونا چاہیے، اسے عالمی سفارت کاری اور اپنے میدان کا ماہر ہونا چاہیے۔ کشمیر کیتھی کے سربراہ کو تاریخ کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی ذمہ داری جذبے، لگن اور واقعی سانجام دینا چاہیے۔

اناطولا لیجننسی: ہم اس سوال کی طرف واپس

وقت لگ گا۔ تماں حالات و واقعات سے واضح اشارہ مل رہا ہے کہ تحریک آزادی کشمیر اب اپنے آخری مرحلے میں ہے۔

اناطولا لیجننسی: اس فیصلہ کن مرحلے کے حوالے سے آپ کی کیا تجاویز ہیں۔

پروفیسر خورشید احمد: ہمیں اس حوالے سے کسی ابہام میں نہیں رہنا چاہیے کہ کشمیر کا مسئلہ بھارت اور پاکستان کے درمیان صرف زمین کا تاریخی عینی بلکہ یہ کشمیری مسلمانوں کی حق خود ارادتی اور بھارت کی تقسیم کا ایک اہم ایجاد ہے۔ یہ صرف بھارت اور پاکستان کا مسئلہ نہیں بلکہ ایک میں الاقوامی نویعت کا ایشو ہے اور اقوام متعدد کی کارروائی کا حصہ بھی ہے۔ پاکستان کے لیے انہائی ناگزیر ہے کہ وہ اس اہم موقع پر موثر اور مستقل حکمت عملی وضع کرے۔ قوموں کی

زندگی میں بسا اوقات ایسے موقع آتے ہیں کہ بعض تزویریاتی اور ڈپولیٹک مصالح کی بنیاد پر کچھ اہم امور کو منور کر دیں، لیکن بحیثیت پاکستانی اور مسلمان ہم کشمیر کو کسی طور پر نظر انداز نہیں کر سکتے۔ یہ پوری پاکستانی قوم، حکومت پاکستان، آزاد کشمیر کی حکومت، یہودی ملک مقیم پاکستانیوں اور کشمیریوں کی مشترک ذمہ داری ہے کہ وہ اس اہم ایشو کو عالمی سطح پر اچاگر کریں۔ لیکن اس مقصد کو محض بیانات جاری کر کے اور ڈپلیٹک پر برقراری بیانات کے ذریعے حاصل نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہرگز حکمت عملی کے ساتھ سی و پیغم کی ضرورت ہے، اگر یہ کام ہم نے پوری ذمہ داری کے ساتھ کر لیا تو بہت جلدی تجویز سامنے آئے گا۔

اس میں کچھ ملک نہیں کہ بھارت کی مسلمانوں اور دیگر قبیلوں کے ساتھ نا انصافی، ظلم و قسم اور اس کی فاشزم کو سفارتی جدوجہد سے آخخار کرنا بھی ضروری ہے، لیکن اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ ایک متوازی حکمت عملی اور یادوں پر تجویز کیا جائے۔ ہمیں اس معاملے کی نویعت کو سامنے رکھتے ہوئے، اسے ایک الگ مستقل ایشو کی بحیثیت سے پیش کرنا چاہیے۔ ہمیں بھارت کے مسلمانوں اور دیگر قبیلوں رہا ہوں۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی قباحت نہیں کر دیں، خصوصاً ۵ مارچ ۲۰۱۹ء کے بعد تحریک آزادی کشمیر ایک فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ جدوجہد آزادی مطلق انجام کی جانب گامز ہے۔ اگرچہ یہ کہنا مشکل ہے کہ آزاد کشمیر

Riyaz ul Khaliq

مقبوضہ کشمیر میں اب موت کے خوف کا وجود نہیں۔

جدوجہد آزادی ایک فیصلہ کن ہوڑ میں داخل ہو چکی ہے۔ اب پاکستانی قیادت کی ذمہ داری ہے کہ وہ موجودہ صورتحال سے کس طرح فائدہ اٹھاتے ہیں۔ پاکستانی قیادت کو چاہیے کہ حق خود ارادتیت کی بنیاد پر عالمی سطح پر موثر لانگ کرے، سیمینار، کانفرنس اور بھرپور مہم تیب دیں۔

انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ کشمیر پر ایک نئے موڑ اور تحریک گروپ کا قیام عمل میں لایا جائے، ساتھ ہی کشمیر کیتھی میں ٹککو کریم، میران اور ماہرین کو شامل کر کے اس کمیٹی کو فعال اور تحریک کیا جائے۔

یہ کہنا تھا معروف پاکستانی فلاں اور ماہر اقتصادیات پروفیسر خورشید احمد کا۔ آپ سابق وفاقی وزیر برائے منصوبہ بندی اور بینیشن میں۔ متعدد کتابوں کے مصنف اور انشی ٹاؤٹ آف پالیسی اسٹیڈیز، اسلام آباد کے بانی اور جیئر میں میں۔

پروفیسر خورشید احمد انھوں نے اناطولا ایجننسی سے اپنے ایک اشرون یوں میں کہا کہ مقبوضہ کشمیر کے لیے میں الاقوامی ریلیف فنڈ قائم کیا جائے تاکہ بھارتی ظلم و قسم اور معافی بدھال کے شکار کشمیریوں کی مدد کی جاسکے۔

اناطولا لیجننسی: آپ نے اپنی ایک تحریر میں کہا کہ تحریک آزادی کشمیر ایک فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکی ہے، اس سے آپ کی مراد کیا ہے؟

پروفیسر خورشید احمد: گزشتہ ۲۰ برسوں سے میں کشمیر اور تحریک کشمیر کا مختلف جہتوں سے مشاہدہ کر رہا ہوں، کشمیر کی تاریخ، اس کے نیشب و فراز، تحریک حق خود ارادیت اور اس کے نظريات کا ایک طولیں عرصے سے تجویز اور مطالعہ کر رہا ہوں۔ گزشتہ ۲۰ برسوں سے اس موضوع پر لکھ رہا ہوں۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی قباحت نہیں کر دیں، خصوصاً ۵ مارچ ۲۰۱۹ء کے بعد تحریک آزادی کشمیر ایک فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ جدوجہد آزادی مطلق انجام کی جانب گامز ہے۔ اگرچہ یہ کہنا مشکل ہے کہ آزاد کشمیر

کشمیر کیشی اور گل جماعتی کشمیر کا فرنٹ کوتاڑہ تین صورتحال پر معلومات فراہم کرنے کی ذمہ دار ہو۔ اس کی ذمہ داری ہو کہ وہ کشمیر سے متعلق ہر نوع کی معلومات، تحریر، بیانات کو جمع کرے، اس کا تجزیہ کرے اور اسے متعلقہ اداروں کو فراہم کرے اسے ایک تھنک ٹینک کی طرح کام کرنا چاہیے۔

اناطولا ایجنسی: ایک سال پر میتوں لائک ڈاؤن، پہلے سیاسی صورتحال اور پھر کرونا کی وجہ سے کشمیر کی میشیت بری طرح متاثر ہوئی ہے، لائن آف کنٹرول کی دونوں جانب تجارت بند ہے، کشمیر کی نبادی صنعت سیاحت اور باغبانی تباہی کے دہانے پر ہے، ایک ماہر معاشرات کی حیثیت

سے میشیت کی بحالی کے لیے آپ کیا تجویز کریں گے؟ پروفیسر خورشید احمد: مفہوم کشمیر کے لیے عالمی سطح پر ریلیف فٹ قائم کیا جانا چاہیے، اگست سے جاری کریں، لاک ڈاؤن، کرونا کی وجہ سے عام کشمیری اور تاجر شدید متأثر ہوا ہے۔ انہیں معاشی طور پر تباہ کر دیا گیا ہے، اس وقت دن لام کھارقی فوجوں نے کشمیریوں کو اپنے زندگی میں لے رکھا ہے۔ اشیائے خور و نوش اور ضروریات زندگی کی اشیائیں ہو چکی ہیں۔ شعبہ صحت کی صورت حال ناگفہ ہے ہے۔ کشمیریوں کو اس وقت عالمی برادری سے انسانی ہمدردی کی نباد پر فوری تعاون کی ضرورت ہے۔ (ترجمہ: محمد الحق صدیق)

"Kashmir movement in 'final phase': scholar".
(aa.com.tr). May 29, 2020)

اور چہدہ مسلسل سے درست سمت پر گامزن رکھا ہے۔ انہوں نے اپنی اگر تی صحت اور بھارتی پابندیوں کے باوجود اپنی قوم کی رہنمائی کا فریضہ بخوبی انجام دیا ہے۔ اس وقت سید علی گیلانی کو ایسی معاون قیادت کی ضرورت ہے جو انقلابی ٹکر اور اعلیٰ تعمیری سوچ کے حامل ہوں۔ ان افراد کو یہاں کامل، تاریخ کا صحیح فہم اور اداک اور سید گیلانی میں بصیرت اور جرأت کا حامل ہونا چاہیے۔

اناطولا ایجنسی: بھارت کشمیر کی تحریک آزادی کو دشت گردی سے جوڑ رہا ہے، آپ اس دعوے کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

پروفیسر خورشید احمد: ہمیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لئی چاہیے کہ غیر قانونی تسلط اور قبضہ، مراجحت کی بنیاد پر ہے۔

اقوام تحدہ کا چار ڈرخواہ اس بات کی توثیق کرتا ہے۔ اقوام تحدہ کے ۲۰۰ رکن ممالک میں سے ۱۵۰ رکن کے حق خود ارادیت کے ذریعے آزادی حاصل کی ہے۔ یہ ایک مسلسل عمل ہے۔ اقوام تحدہ تسلیم کرتا ہے کہ اگر حق خود ارادیت کو جمہوری ذرائع سے موقع نہ دیا جائے اور اسے ظلم و جبر سے پچھلے کی کوشش کی جائے تو پھر یہ مراجحت کی تکلیف اختیار کر لیتا ہے۔ اقوام تحدہ بھی حق مراجحت کو تسلیم کرتا ہے۔ لہذا حق خود ارادیت کو حاصل کرنے کے لیے جو جدوجہد دشت گردی نہیں ہے۔ بھارت نے نائن الیون کے بعد آزادی کشمیر کو دشت گردی سے نجی کرنے کی کوشش کی۔ افغان طالبان جنہوں نے عالمی طاقتوں کے سامنے جنکھنے سے انکار کر دیا تھا، انہیں کل تینک دوست گرد کہا جاتا تھا، آج ان سے نہ کاراٹ اور مصالحت کی جاری ہے۔

اناطولا ایجنسی: آپ کے ذیل میں اور کیا اقدامات کی ضرورت ہے۔

پروفیسر خورشید احمد: ہمیں آزاد کشمیر میں پیر الملتی فوری تکمیل دینے کی طرف غور کرنا چاہیے۔ یہ وقت کی ضرورت ہے۔ اگر کبھی اس خطے میں فوجی کردار کو ثمن کرنے کی بات کی جائے اور پاکستان کو کہا جائے کہ وہ اپنی افواج کو باہر کا لے تو اسی صورت میں مقامی فورس کی ملک موجوہ ہوئی جائیے، جو خطے کی خلافت کر سکے۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب پولیس کے ساتھ تربیت یافتہ، پروفیشنل فورس موجود ہو۔ اس کے ساتھ ایک کشمیر ریز چار گروپ بھی تکلیف دیا جانا چاہیے جو مسلسل مسئلہ کشمیر پر ہر پہلو کام کرے اور پاکستان کی

آتے ہیں کہ تحریک آزادی کشمیر ایک فیصلہ کن موڑ میں داخل ہو چکی ہے، آپ کا اس مرحلے کے حوالے سے کیا خیال ہے، ایسی کون سی نبادی تبدیلی واقع ہوئی ہے۔

پروفیسر خورشید احمد: دراصل بھارتی سفارتی اور غاصبانہ قبضہ کے خلاف مراجحت اور جدوجہد اس طبق تک منحصر چکی ہے کہ موت کا خوف کشمیریوں کے دل سے نکل چکا ہے۔ یہ تحریک آزادی کشمیر کا بہت ہی اہم اور قابل تاثر ہے۔ اس موقع پر بھارت کی حامی مسلمان قیادت کا اصل چہرہ بھی سامنے آگیا ہے۔ ان کے میانے میں اب کوئی جان باقی نہیں رہی۔ اس میں کچھ تکمیلیں کہ یہ نظرہ ابھی تکمیل ٹھانیں لیکن اب یہ لوگ عوام کی نظر میں غیر مؤثر ہو چکے ہیں، یہ ایک انتہائی اہم پیغمبرت ہے۔ اسی طرح بھارتی میڈیا اور سیاسی جماعتیں کشمیر کی خصوصی حیثیت کو ختم کیے جانے اور انسانی حقوق کی پامالی پر اعتماد کیا ہے۔

ہمیں یہ میڈیا اور سیاسی جماعتیں کشمیر کی خصوصی حیثیت کو ختم کیے جانے اور انسانی حقوق کی پامالی پر اعتماد کیا ہے۔ اسی طرح میں یہ ایک غیر معمولی اور ثابت تبدیلی ہے۔ اس حالیہ تبدیلی میں ہے پناہ امکانات موجود ہیں۔ وہری جانب بھارت کی معاشی اور سیاسی حیثیت کے علی الرغم میں ممالک اب بھارت کا اعتساب کر رہے ہیں۔ اگرچہ جس طرح یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے، اس کی آواز خاصی کمزور ہے۔ یہ ساری تبدیلی اس جانب اشارہ کر رہی ہے کہ تم ایک فیصلہ کن مرحلے کی جانب پڑھ رہے ہیں۔ اب یہ اہم ہے کہ ان موقع اور امکانات کا ہم کس طرح فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اناطولا ایجنسی: آپ کے ذیل میں اس حوالے سے سب سے اہم ذمہ داری کو انداختے ہوئے ہے؟

پروفیسر خورشید احمد: سب سے اہم قوتی خرک اور قیادت تو خود قبضہ کشمیر میں موجود ہے۔ محترم سید علی گیلانی نے تحریک آزادی کشمیر کو اپنی بصیرت، ہرم و حوصلے

"معارف فیچر" حاصل کرنے کے خواہشمند خواتین و حضرات اور اداروں سے گزارش ہے کہ اپنے نام اور پتے کے ساتھ (رشا کارانہ طور پر) ۵۰۰ روپے کا ڈاک تکٹ یا کراچی کے کسی بینک کا اتنی مالیت کا چیک "اسلامک رسیرچ آکیڈمی کراچی" کے نام ارسال کریں۔ آپ کا بینک بیرون کراچی ہو تو پھر بینک ڈرافٹ یا منی آرڈر بھیجیں۔ زیرخیز اداری موصول ہو جانے کے بعد آپ کے دیے ہوئے پتے پر "معارف فیچر" کی ترسیل شروع ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ

اسلامک رسیرچ آکیڈمی کی نئی کتاب

حضرت ابراہیم
امام انسانیت

ڈاکٹر محمد رحیم الاسلام بدودی

تیسرا نمبر: ۵۰۰ روپے

اسلامک رسیرچ آکیڈمی کراچی

لکھنؤی بک سینٹر، فون: 021-36809201

مسلم دنیا میں قیادت کا فقدان۔۔۔

ابو صبحات

رقابت نے ائمہ مالک کو شدید ترین مخفی اڑاث سے دوچار رکھا ہے۔ پاکستان جیسے ممالک کے لیے یہ معاملہ بہت عجیب اور غصان دہ رہا ہے۔ یہاں سعودی عرب کی حمایت کرنے والے بھی موجود ہیں اور ایران نواز عناصر بھی۔ ایسے میں معاشرے کا مقام ہو رہا ناظمی امر ہے۔ سعودی قیادت کی خواہش اور کوشش رہی ہے کہ باقی دنیا سے معاملات طے کرنے میں مسلم ممالک اس کی طرف دیکھیں، اس کی پالیسی کو اپنائیں۔ سعودی قیادت کا جھکاڈ مکمل طور پر مغربی طاقتوں کی طرف ہے۔ امریکا نے سعودی قیادت کو ٹھیک میں لے رکھا ہے۔ اس کی تمام پالیسیوں پر امریکی اڑاث بالکل نمایاں ہیں۔ دوسرا طرف یورپ بھی سعودی عرب کو زیر تصرف رکھنے پر متوجہ رہتا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ سعودی عرب پر اڑا انداز ہو کر باقی اسلامی دنیا پر اڑا انداز ہوتا تدریجے آسان ہو جاتا ہے۔ مگر بخوبی سوال یہ ہے کہ سعودی قیادت کی پیروی کرنا ہر مسلم ملک کے لیے لازم ہے؟ اگر اس کی پالیسیاں اسلامی دنیا کے لیے جمیع طور پر سودمند ہوں تو تو معاملہ ٹھیک ہے۔ بصورت دیگر سعودی قیادت کی پیروی کرتا ہے عقلی اور خسارے کا سودا ہی سمجھا جائے گا۔

ڈویڈ اونٹرے کی مدت میں ترکی تیزی سے ابھرا ہے۔ ترکی نے مسلم دنیا کی قیادت بھی کی ہے اور اب پھر ایسا کرنے کی کوشش میں ہے۔ اس وقت ترک قوم غیر معمولی اعتماد سے مالا مال ہے۔ ترکی نے یورپ کی طرز پر غیر معمولی ترقی تیزی ہے اسکا اسلامی دنیا کے سامنے خود کو مثال کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ مسلم دنیا جدید دور کے تقاضوں سے ہم آنچھ رہتے ہوئے آگے گئے ہوئے کی کوشش کرے۔ ترکی نے جدید ترین علوم و فنون میں پیش رفت تیزی بنانے پر خاطر خواہ توجہ دی ہے۔ یہ سب کچھ یورپ کی پیروی کرتے ہوئے ممکن ہو سکا ہے۔ ترکی میں عمومی طرز رہائش یورپی ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس نے اپنی تہذیب اور اقتدار کو خیر باد کہہ دیا ہے۔ ترکوں کو اچھی طرح انداز ہے کہ انہوں نے مسلم دنیا کی قیادت کی تھی اور اگر موقع ہاتھ آجائے تو اس دورہ پر اسے کی بھی کوچھ پوکوش کی جا سکتی ہے۔ اور نتیجہ وہ موقع آپکا ہے۔

ترکی کے صدر رجب طیب اردوان ایک ایسے لیڈر بن کر اپنے بیان جو بعض اہم معاملات میں مغرب کی سوچ اور مرضی کو نظر انداز کرنے میں درپیشی نکلتے۔ اسرائیل کے معاملے میں انہوں نے یورپ کی ناراضی کی پروانیں کی اور محصور فلسطینیوں کی امداد کے حوالے سے ان کے اقدامات

کے مسلمان اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسرائیل ایک سازش کے تحت معرضی وجود میں لایا گیا ہے۔ اسرائیل کسی بھی طور پر قرار

نہیں رہ سکتا تا مگر مغربی طاقتوں اس کی پشت پناہ تھیں۔ امریکا اور یورپ نے مل کر اسرائیل کا وجود برقرار رکھنے پر توجہ دی ہے۔ اس کے لیے فلسطینیوں سے شدید نا انصافی ناگزیر بھی گئی تو ایسا ہی کیا گیا۔ اس کے باوجود مسلم دنیا کے جنم میں بلیں پھیلتے مسلم ممالک اسرائیل کو دل و جاں سے تسلیم کر لیں۔

متحده عرب امارات نے اسرائیل سے دوستی اور تعاون کا جو معاهدہ کیا ہے وہ اس امر کا غافر ہے کہ بات چیز بہت پہلے سے جاری تھی۔ جب موقع آیا تو

آٹے لیے ہیں جیسے دچا کاں چین۔ سے یہ نہ چاک

چیزیں کیفیت پیدا ہو گئی۔ اسرائیل کو تسلیم کرنے کی تیاری بہت پہلے کری گئی تھی اور دوستی و تعاون کے معاهدے کے تمام نکات پر بھی رضامندی تیزی بنا لی گئی تھی۔ متحده عرب امارات اور اسرائیل نے جس انداز سے ایک دوسرے کو گلے لگایا ہے

وہ صاف ہمارا ہے کہ میدان بہت پہلے تیار کر لیا گیا تھا۔

سعودی عرب نے واضح طور پر اعلان کر دیا ہے کہ اسرائیل کو تسلیم کرنے کی کوئی ہجامت نہیں۔ یہ اعلان شدید دباؤ کا نتیجہ ہے۔ یہ دباؤ اندر وہی یعنی اسلامی ممالک کی طرف سے ہے۔ سعودی عرب مکمل مدد اور مدد مورخہ منورہ کا حال ہے اس لیے دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے انتہائی قابلِ احترام ہے۔ پیشتر مسلم ممالک ہر اہم معاملے میں سعودی عرب کی طرف دیکھتے ہیں۔ ایسا کرنا بالکل نظری ہے۔ پیشتر مسلم ممالک کی قیادت چاہتی ہے کہ سعودی عرب کی قیادت جو کچھ کر دے دی کچھ کیا جائے، اسی کے نقوشِ قدم پر چلا جائے۔ ایسا کرنے میں کچھ ہر جن نہیں، اگر سعودی عرب بھی راستے پر گامزن ہو۔

معاملات اس وقت پیچیدہ ہو جاتے ہیں، جب سعودی عرب سے اچھے اشارے نہیں اترے ہوئے ہوئے۔ سعودی قیادت کو بھی اس کا شدت سے احساس ہے۔

ایک زمانے سے مسلم ممالک مرکزی قیادت کے لیے ترس رہے ہیں۔ مسلم دنیا کی قیادت کس ملک کے ہاتھ میں ہوئی چاہیے، یہ سوال بہت اہم رہا ہے۔ سعودی عرب اور ایران کی ٹھکل میں مسلم دنیا دو بلاکس میں تقسیم رہی ہے۔ یہ بالکل سامنے کی بات ہے۔ مشکل یہ ہے کہ ان دونوں کی

ایک بارہ بھر مغربی طاقتوں اسرائیل کو تسلیم کرنے کے لیے مسلم ممالک پر دباؤ بڑھا رہی ہے۔ یہ معاملہ کسی ملک کو تسلیم کرنے کا نہیں بلکہ مسلم دنیا کے ایمان کے سینے میں خجھ گھوپنے کا ہے۔ اسرائیل کا وجود مسلم دنیا کے جنم میں بلیں پھیلتے نا سورجیا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے اختتام پر اسرائیل کو قائم کر کے مغربی طاقتوں نے مسلم دنیا کے لیے ایک مستقبل نویعت کی اونیت کا سامان کیا۔ اسرائیل کے ذریعے مسلم دنیا کو افیمت دینے کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے نتیجے میں جنگری پیدا ہوئی تھی، اس نے یہودیوں کو بہت بڑے بیانے پر موت کے گھاٹ اتارنے کا سامان کیا۔ جو سن نازیوں نے یہودیوں سے صدیوں کے دوران پڑے والی نفرت کے تحت انتقام لیا۔ اگر یہودیوں کا دیہ دلوی درست بھی تسلیم کر لیا جائے کہ دوسری جنگ عظیم کے دوران نازی

جرمنوں کے ہاتھوں ۲۰ لاکھ یہودی موت کے گھاٹ اتے تھے جب بھی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہودیوں کو سے زیادہ نفرت کس سے ہونے چاہیے تھی؟ ظاہر ہے، جو سن نازیوں نے یہودیوں کو یوں سر عام نفرت کا نشانہ کیا تھیں بنایا۔ یہودیوں کی نظر میں اگر انتقام لازم تھا تو پھر جنم کے خلاف کوئی قدم اٹھایا جانا چاہیے تھا۔ جو سنوں کو سبق کھانے کی ضرورت تھی مگر ہوا کچھ اور۔ مغربی قوتوں نے یہودیوں کو انصاف فراہم کرنے کے لیے مسلمانوں سے نا انصافی بر قی اور یوں فلسطین

کے سینے میں اسرائیل کے نام کا خجھ گھوپ دیا گیا۔ یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ یہودیوں کو اسرائیل میں بسا کر فلسطینیوں کی شدید ترین حق تلقین کی گئی ہے۔ اب بھر پوکوش کی جاری ہے کہ پوری اسلامی دنیا اسرائیل کو تسلیم کر لے۔ اسرائیل کو جس طور قائم کیا گیا اور جس انداز سے اس ریاست نے مغرب کی سر پرستی میں فلسطینیوں سے شدید نا انصافی روا رکھی ہے اس کا قاضا ہے کہ اسلامی دنیا اسرائیل سے نفرت کرے اور وہ ایسا ہی کرتی آئی ہے۔ عام یہودیوں سے مسلمان اب بھی نفرت نہیں کرتے۔ مغربی دنیا میں رہنے والے یہودیوں کو مسلمانوں سے کبھی کوئی شکایت نہیں رہی۔ دنیا بھر

ہے۔ ترکوں میں قائدانہ صفات بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ حالات اس امر کے مقاضی ہیں کہ مسلم دنیا سعودی عرب پر دباؤ کے لئے کہہ بھی ترکی کا ہم نوا ہو۔ اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو بھی مسلم ممالک کے پاس ترکی کی ہم نوائی کا آپشن ضرور موجود ہے۔ شمالی افریقا ایک زمانے سے ایضاً سلوک کا سامنا کر رہا ہے۔ عرب دنیا سے ہڑتے ہونے کے باوجود شمالی افریقا کے مسلم ممالک کو کچھ خاص ملائیں۔ سعودی عرب اور عین فارس کی متول ریاستوں نے مسلم دنیا کے لیے جمیع طور پر فارس کی تقدیم کروانا ہے۔ اگر ان ممالک میں ان کے لیے جمیع طور پر مشکل حالات پیدا ہو گے تو بھارتی معیشت کو غیر معمولی دچکا لگے گا۔ بھارت میں مسلمانوں سے عمومی سطح پر زیادتیوں اور کشمیریوں سے خصوصی طور پر امتیازی سلوک روا رکھے جانے پر بھی عرب دنیا میں بے ہوئے بھارتی باشندوں سے روا رکھے جانے نے محسن سلوک میں اب تک کوئی تبدیلی رومنا نہیں ہوئی۔ بھارتی قیادت کو اس خوش گن حقیقت کا بھی کچھ احسان نہیں۔ نئی وعلیٰ کے پالیسی سازی نہیں سوچ رہے کہ اگر عرب دنیا میں بھارتی باشندوں کے خلاف نفرت کی لہر اٹھ کھڑی ہوئی تو کیا ہو گا۔

مسلم دنیا دراہے پر کھڑی ہے۔ دنیا بدل رہی ہے۔ بدلتی دنیا کا ساتھ دینے کے لیے لازم ہو گیا ہے کہ مسلم دنیا کی ایک مضبوط مرکزی قیادت ہو۔ مسلم دنیا کو عالمی قیادتوں کے ذریعے بھی ملکم کیا جاسکتا ہے مگر یہ مستقل نویعت کا حاصل نہیں۔ اگر اس وقت مسلم دنیا میں، کسی نئی شکل میں، مضبوط مرکزی قیادت اپنے جائے تو جن کا حوصلہ بھی یہ ہے کہ اور وہ زیادہ قوت کے ساتھ اسریکا اور پورپ کی برتری و اجارہ داری کا ظہور ہونے کی مسترد ہے گا۔

﴿﴾﴾

بچوں کے ذہنی و فیضیاتی امراض و مسائل کا مختصر جائزہ

بچوں کے ذہنی امراض

فوزیہ عباس

قیمت: ۳۰۰ روپے

اکیڈمی بک سینٹر، D-35، بلاک-5
فیڈرل بی ایریا، کراچی۔ فون: 021-36809201

مغرب کو کسی حد تک مند دے رہے ہیں، اور بھارت کو بھی۔ بھارت کو کشمیر کے معاملے میں آنکھیں دکھانے کے معاملے میں بھی ایریوان پیچھے نہیں رہے۔ انہوں نے متعارف واقعہ پر پاکستان کے ساتھ کھڑے ہو کر بھارت دنیا کو بتا دیا ہے کہ کسی بھی اہم معاملے پر پہنچنے والے اسلامک سوچ اپنائی جاسکتی ہے۔ فلسطینیوں اور کشمیریوں کے لیے آواز بلند کر کے رجب طیب ایریوان نے ایران اور ملائیشیا کو بھی زبان دی ہے۔ ملائیشیا نسلی اعتبار سے مقصوم معاشرہ ہے۔ وہاں غیر مسلم بھی بڑی تعداد میں ہیں۔ یہ ملک اب تک جمیع طور پر خاصلہ برآئیں اور متعلق رہا ہے۔ ملائیشیا لیڈر مہاتر محمد نے کشمیر اور چند دوسرے معاملات میں بھارت سے نکرانے سے گیر نہیں کیا۔ یہ بہت حیرت انگیز بات ہے کیونکہ دونوں ممالک کے درمیان تجارت غیر معمولی نویعت کی ہے۔ مہاتر محمد نے سویا میں آنکل کی برآمد کو واپس پر لگانے سے بھی گیر نہیں کیا۔ انہوں نے کشمیریوں کی حمایت میں نئی وعلیٰ کو ناراض کرنے سے ذرخہ بھر گیر نہیں کیا۔ اتوام تحدہ کے فورم سے بھی انہوں نے بھارت کی لڑائی میں بکل نہیں دکھایا۔ اس معاملے میں ان کے جذبات کو رجب طیب ایریوان سے خاص تحریک مل ہے۔ ایران بھی ترکی اور ملائیشیا کا ہم نوا ہو کر اپنے بھرا ہے۔ ان تینوں نے مسائل سے دوچار مسلم معاشروں اور زیادتی کا نشانہ بننے والی بڑی مسلم آبادیوں کے حقوق کی بات کر کے باتی دنیا کو بتا دیا ہے کہ اب معاملات کو جوں کا توں برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ جلد یاد بیر، مسلم دنیا کے بیانی مسائل حل کرنے ہی سے بات بنے گی۔ اور یہ کہ مغربی دنیا کو اسلامی ممالک یا مسلم قبیلوں سے کھلواڑ چاری رکھنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

ترکی کا اپناء سعودی عرب کے لیے پریشان کن ہے۔ کیونکہ اس کی نامنہاد قائدانہ حیثیت خطرے میں پڑ گئی ہے۔ سعودی عرب نے اب تک مغربی پالیسیوں کے مقابل انہی بزرد لاندرویہ اختیار کیا ہے۔ مسلم دنیا کو بہت سے اہم موقع پر پرتوں کی توقع رہی کہ سعودی قیادت ان کے دل کی آواز بن کر اپنے گی، دنیا بھر کے مسلمانوں کو درپیش مسائل کے حوالے سے مغرب سے دو لوگ انداز سے بات کر کے گی گمراہ اسے دیر پا دوستی برقرار رکھنے کے لیے ایسا کرنا ناگزیر ہے۔

ترکی اور ایران نے مل کر اسی فضایہ بیداری کو دی ہے، جس میں بھارت اور دیگر عالمی قیادتی طاقتوں کے مفادات کو خطرات لائق ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔ جنین کا اسلامی دنیا سے جمیعی تعلق بہت اچھا ہے۔ اس وقت کوئی بھی مسلم ملک چینی مفادات کا یکسر خالق نہیں۔ مغربی پر پیغمبر کے باوجود مسلم دنیا میں چینی قیادت اور عام ہمینہوں کے لیے خیر سکالی کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ اور پھر جنوب شرقی ایشیا سے ملائیشیا بھی مسلم دنیا کے باوجود مسلم دنیا کے اتحاد کی خاطر محمد نے چین اسے سالی کے باوجود مسلم دنیا کے اتحاد کی خاطر تحریک رہنے کو ترجیح دی ہے۔ ایسے میں ترکی سے بہت زیادہ توقعات و ایسٹر رکھناظری امر ہے۔ ترکی مسلم دنیا کا قائد رہا کر کری ہے۔ یہ دونوں ممالک اب ملائیشیا کے ساتھ مل کر

بھارتی معیشت کا بحران!

Harish Damodaran

معیشت کو دوبارہ فعال یا سکتی ہے مگر وہ بھی مکان طور پر دووجہ کے باعث ایسا کرنے سے کتراری ہے۔ پہلی وجہ تو یہ امید ہے کہ کورونا کی وبا پوری طرح ختم ہو جائے پر معیشت خود، تحدیوں بحال ہو جائے گی۔ یہ امید لکھنی طاقتور ہے، اس کا اندازہ کوئی بھی رنگ اسکلتا ہے۔ معاملات کے درست ہو جانے کی امید، بہت حد تک بے نہیں ہے کیونکہ کورونا کی وبا کے شروع ہونے سے بہت پہلے بھی معاشی نشوکی شرح ۲۰۲۰ء فیصد تک تھی جو کسی بھی اعتبار سے حوصلہ افزائیں تھی۔ بھارتی معیشت بحران کی زد میں ہے مگر یہ بحران صرف کورونا کی وبا کا پیدا کردہ تھیں۔ اس وبا کے پھیلنے سے بہت پہلے بھی کاروباری اداروں کا حال اچھا نہ تھا۔ بھارتی معیشت کوکم و بیش ڈبڑھ عشرے سے مالیات کے معاملے میں بھی خسارے کا سامنا ہے۔ ۰۸۔۰۷۔۲۰۲۰ء میں بھی بھارتی معیشت شدید مشکلات سے دوچار تھی۔ تب مالیات کے حوالے سے خسارے کا تناسب ڈھانی فیصد سے زائد تھا۔ حکومت کے لیے سرمائی کا اہتمام کرنا اور حاصل شدہ سرمائی کو کاروباری اداروں میں پہنچانا ایک بڑا امنت تھا۔

حکومت کے لیے عوام سے قرضے لینا ایک بڑا امنت رہا ہے۔ چند برس کے دوران حکومت اس معاملے کو کسی حد تک کنٹرول کرنے میں کامیاب رہی ہے۔ زرکی افراط و تفریط میں اندر وہی قرضوں کا کردار غیر معمولی ہوتا ہے۔ اندر وہی قرضوں کا معاملہ گزبرہ کا شکار ہوتا ہے وہی قرضے خلاش کیے جاتے ہیں جو زیادہ خرابی پیدا کرتے ہیں۔ بھارتی معیشت ایک عشرے کے دوران قرضوں کے اڑاست کوکم سے کم کرنے کی کوشش میں مصروف رہی ہے۔ نتاں کجہ دارو۔

زیندرومدی کی وزارت ^{ملکی} کے پہلے دور میں خرایاں زیادہ تھیں، ان کے تجھیں میں معیشت کو سنبھالنا مزید مشکل ہو گیا۔ اب بھی معاملات پوری طرح قابو میں نہیں۔ واچائی دور میں مالیاتی خسارے کو نصف کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اس کے لیے چند ایک انقلابی اقدامات کی ضرورت ہے۔ پہلے مرحلے میں سرکاری اخراجات کو کنٹرول کرنا لازم ہے۔ سود کی شرح ہر یوگرے گی۔ بینکوں کو ایسا کرنا ہی پڑے گا کیونکہ قرضے لینے والے برائے نام ہیں۔ لوگوں میں کاروبار کرنے کی خواہش ہے نہ سکت۔ اگر پہنچ بڑے پیانے پر قرضے دینے کا اعلان کر بھی دیں تو قرضے حاصل کر کے نیا کاروبار چلانے کی خواہش رکھنے والوں کی تعداد برائے نام ہے۔

(ترجمہ: محمد ابراء خان)
"A crisis without villains".
(The Indian Express". August 18, 2020)

ڈخان کم ہیں نہ خواراک کا بحران ہے۔ اور پچتوں کا معاملہ بھی حوصلہ افراد ہے۔ ۲۰۲۰ء جولائی ۱۴ء کوئی پختی کم و بیش ۱۷٪

لاکھ کروڑ روپے تھیں، جو گزشتہ سال کی اسی مدت کے مقابلے میں تقریباً افیض دنہ تھیں۔ سرکاری سکیورٹی میں سرمایہ کاری کرنے والوں کی تعداد تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ اس کا نہیا دی سبب یہ ہے کہ معیشت ڈاؤن اڈول ہے۔ لوگوں کو صرف سرکاری باڈھ اور سکیورٹی پر یقین ہے کہ ان کی قدر تین گھنٹے گی۔ مہنگائی دن پر دن بڑھتی جا رہی ہے۔ ایسے میں سرکاری سکیورٹی محفوظ ترین سرمایہ کاری کی ٹھکلہ اختیار کرنی جا رہی ہیں۔

کساد بزاری کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ یہ کیفیت پوری معیشت کو کھاری ہوئی ہے اور کسی پر الزام عائد نہیں کیا جاسکتا کوئی خواراک یا ایندھن ذخیرہ نہیں کر رہا ہوتا۔ صارفین پر زائد خرچ کرنے کا الزام بھی عائد نہیں کیا جاسکتا۔ اس

ڈرائے میں ٹوٹسٹ پر ٹوٹسٹ آتا ہے مگر کوئی ولن دھانی نہیں دیتا۔ کسی بھی آجڑ پر چھانٹی اصولوں کے خلاف تینیں جارب ہوتا مگر پھر بھی خرابی بڑھتی جاتی ہے۔ جب صارفین اور پیدا کار دونوں ہی کا اعتماد بخوبی ہو چکا تو خرایاں پیدا ہوتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت بھارتی معیشت خطرناک بحران سے دوچار ہے۔ کروڑوں افراد، عارضی طور پر ہی کسی، بے روزگاری کا عذاب جھیل رہے ہیں۔ آجروں پر الزام عائد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ان میں بھی بہت سے ہیں جن کے

کروڑوں روپے ڈوبے ہیں۔ پیداواری عمل موقوف رہنے سے بازار میں سب کچھ الٹ پلٹ گیا ہے۔ ایسے میں الزام تراشی کا کچھ حاصل نہیں۔ جب کوئی ولن ہے ہی نہیں تو الزام کے دیا جائے۔ یہ تو سشم کا معاملہ ہے۔ جن کے پاس کچھ پیسہ ہے وہ خرچ کرنے سے کترار ہے ہیں۔ لوگ چاہتے ہیں کہ بچت کا گراف زیادہ سے زیادہ بلند ہو۔ سرکاری سکیورٹی سے بہت کر کی جانے والی سرمایہ کاری خاصی کم ہے۔ لوگ اپنچھے وقت کا محل انتظار کر رہے ہیں۔ اپنچھے وقت کو خود لیتی جانے پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی جا رہی۔

سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ معاشی بحران کیوں کر دور کیا جاسکتا ہے مگر کوئی بھی پہلا قدم اٹھانے کو تیار نہیں۔ صرف حکومت ہے جو کچھ کر سکتی ہے، سرمایہ کاری کا عمل تیز کر کے

اس وقت بھارت کو ایک ایسے بحران کا سامنا ہے، جس کے لیے کسی پر الزام عائد کرنا انجامی دشوار ہے۔ معیشت سکڑ گئی ہے۔ حکومت کے لیے لازم ہو گیا ہے کہ زیادہ سے زیادہ قرضے لےتا کہ معیشت کا پہنچی تیزی سے گھما جاسکے۔ بے روزگاری اور غربت کا گراف بلند سے بلند تر ہوتا جا رہا ہے۔ کورونا وائرس کی وبا نے معاملات کو اس طرح الجھایا ہے کہ بہت کچھ واضح ہے، مگر واضح نہیں ہے۔ اس کہانی میں ولن دھانی نہیں دے رہا۔ معاملات بگڑے ہوئے ہیں، کہانی میں ٹوٹسٹ پر ٹوٹسٹ آئے جا رہے ہیں گرتم معاملات کے لیے کسے موردا اٹھیرا جائے، کچھ کچھ میں نہیں آ رہا۔

بھارت کو سابق ادوار میں کبھی اتنی معاشی گروٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ جنگوں کے زمانے میں بھی معیشت اس طرح نہیں سکڑتی تھی۔ جس طرح اس وقت سکڑی ہوئی ہے۔ بھارتی معیشت کو سیالابی کیفیت کا سامنا بھی رہا ہے۔ سیالاب کے دوران معاملات کی خرابی معیشت پر بری طرح اڑا نداز ہوتی ہے۔ ادائیگیوں کا تو ازن بھی بگڑ جاتا ہے۔ اسی طور اپر انقلاب کے بعد دنیا بھر میں قبیل کی منڈی کو جو جھکا کا ٹھاؤس کے تیجے میں بھارتی معیشت کو بھی غیر معمولی خسارے سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ ادائیگیوں کا تو ازن بگڑ گیا تھا جسے درست کرنے میں وقت لگا۔

روایاں ریچ کی فصل اچھی ہوئی ہے۔ کسانوں نے جو کچھ بویا اور جو منت کی اس کا پھل خوب ملا۔ دوسرا طرف خواراک کے ڈخان جنوری میں ۶ کروڑ ۲۲ لاکھ تھے، جو ضرورت سے کم و بیش ڈھانی گناہ زیادہ تھے۔ صورت حال کسی بھی اعتبار سے اسی نہ تھی کہ پریشان کن قرار دی جاتی۔ جنوری تا مارچ ۲۰۲۰ء کی سرمائی کے دوران ۱۳ سال میں پہلی بار ادائیگیوں کا تو ازن موافق رہا۔ جون ۲۰۲۰ء میں بھی جنوری ۲۰۰۲ء کے بعد پہلی بار تجارتی تو ازن موافق رہا۔ یہ راگست کو زرمباڈہ کے ڈخان ۱۹۵۳۸ رابر ڈال تھے۔ کورونا وائرس کی وبا کے دوران بھی زرمباڈہ کے ڈخان میں کم و بیش ۲۰ رابر ڈال کا اضافہ ہوا۔

اب کے معیشت کا سکڑا اُجیب ہے۔ زرمباڈہ کے

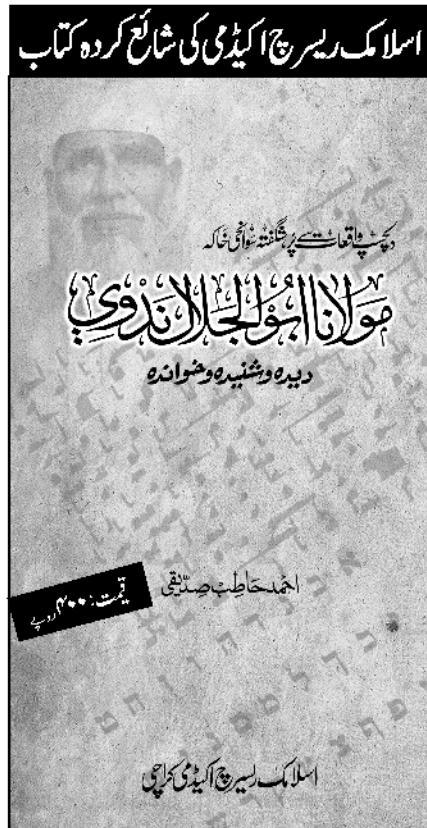
ایک ریٹیلرگ سروس کا افتتاح کیا۔ یہ ادارہ کم و بیش ۲۰۰ بھارتی شہروں میں خدمات فراہم کر رہا ہے۔ ڈیوری نیت دوک کو مزید تو سچ دی جا رہی ہے۔ کوونا والوں کی دبائے دوران کیش امبانی کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے کیونکہ رواجی ریٹیلرز کے لیے لاک ڈاؤن کے باعث مشکلات برداشت گئیں اور آن لائن آرڈر کا بڑا نسبت بڑھ گیا۔

بھارت ایک ارب سے زائد افراد کی منڈی ہے۔ اس منڈی میں قدم جمانے پر ملکی اداروں کے ساتھ ساتھ غیر ملکی کاروباری گروپیں نے بھی غیر معقول توجہ دی ہے۔ امیزوں نے اب تک کم و بیش ساڑھے پانچ ارب ڈالر بھارت میں لگانے کا عنیدہ دیا ہے۔ امریکا ہی کی وال مارت ان کا پوریشن نے ۲۰۱۸ء میں بھارت کے معروف ریٹیلر گروپ فلپکارٹ آن لائن سروس پر اپنے ٹائمیڈ کو خریدنے کے لیے کم و بیش ۱۱۲ ارب ڈالر خرچ کیے۔ (ترجمہ: محمد احمد خان)

"Mukesh Ambani is now on a shopping spree in race against Amazon".

(bloomberg.com). August 18, 2020)

•••



لکیتمی بک سینٹر، D-35، بلاک-5
فیڈرل بنی ایریا، کراچی۔ فون: 021-36809201

"دنیا میری جیب میں"

مکیش امبانی "امیزوں" کے مقابل

ہے مگر معاملات کو انہائی خفیہ رکھا جا رہا ہے۔ کچھ معلوم نہیں ہو پا رہا کہ اونٹ کس کروٹ بنتے گا۔ مکیش امبانی بظاہر عجالت میں

ہیں۔ وہ کسی نہ کسی طور امیزوں گروپ کے مقابل آنا چاہتے ہیں۔ دوسری طرف وہ جیلن کے علی ہاگروپ کو بھی مند دینے کی تیاری کر رہے ہیں۔

مکیش امبانی نے اپنے گروپ کے ڈیجیٹل ہیڈ Jiyo ملک کے بڑے اور نیلیاں ریٹیلر گروپ کے مالک ہو گئیں تاکہ ان کی طرف سے دی جانے والی پیشکش زیادہ سے زیادہ ہوں۔ ایک طرف وہ بیکٹاک کے شبے میں قدم جمائے ہوئے اور جیف ایگر میکٹ پر فونم چیڑھی کیتھی ہیں کہ ریٹیلر گروپ فیشن میں ہیں اور ان کے اسمیکر بھی غیر معقولی حد تک پکشش ہیں۔ مکیش امبانی کے پاس بھی سرمائے کی کمی نہیں۔ وہ ظاہر بہت پر امید ہیں۔ آئندہ پانچ برس میں خورہ فرشتہ کا دھندا عروج پر ہو گا۔ مکیش امبانی بہت پچھا بھی سے کریماں چاہتے ہیں

تاکہ آگے چل کر کوئی بڑی مصیبت کھڑی نہ ہو۔ لائیں۔ اس پلیٹ فارم کو وہ بین الاقوامی رینگ دینا چاہتے ہیں۔

ذراں سے زیادہ اداروں کو خریدنے کے لیے مکیش امبانی نے چند ماہ کے دوران غیر معقول دوڑ ڈھوپ کے دریے کم و بیش میں ارب ڈالر میں قائم "زوام" کو ۱۴ کروڑ ڈالر تک میں خرید سکتے ہیں۔ "اربن لیڈر" کے لیے انہیں شاید ۳ کروڑ ڈالر ادا کرنا پڑے۔ لوکل میڈیا کے تخفینے کے مطابق "میمیڈر" کی قیمت ۱۲ کروڑ ڈالر تک ہو سکتی ہے۔ ذراں تھاتے ہیں کہ دو دوہر فراہم کرنے والا ادارہ "ملک ہاسکیٹ" بھی مکیش امبانی کے ڈال رہے ہیں۔ مقصود صرف یہ ہے کہ مسابقت کا امکان کمزور تر ہوتا جائے۔ اس وقت مکیش اور ایشل امبانی کاریانش گروپ ٹیل، گیس، ٹیل کام اور ریٹیلنگ کے شعبوں میں غیر معقول اسیکر کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ اب مکیش امبانی نے ریٹیلنگ میں پکھ کہنے سے مددست کی۔

مکیش امبانی نے کم و بیش تین سال کے دوران کی اداروں کو خریدا ہے۔ ممی اشک ایکچھ میں ان کے اسمیکر بڑھتے جا رہے ہیں۔ ریاننس گروپ کا منافع بھی بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ مکیش امبانی نے تین سال کے دوران برٹش ٹوائے اسٹور چیلن ہیملز کے علاوہ لوکل میوزک اسٹرینگ ایپ ساون، لا چنکس آپریشن گریب اے گرب سروس اور آرٹیفیشل انٹلی جنک جیٹ بوٹ ہیپک کو خریدا ہے۔ گزشتہ سال کے اوخر میں مکیش امبانی نے "جیومارت" کے نام سے

Anto Antony and P.R.Sanjai

مکیش امبانی ریاننس گروپ کے سربراہ ہیں۔ وہ مکیش امبانی کی بھی مالدار تین شخصیت ہیں۔ تین چار برس کی مدت میں مکیش امبانی نے فی کاروباری سلطنت کو غیر معقولی حد تک وسعت دینے کی خلافی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ملک کے بڑے اور نیلیاں ریٹیلر گروپ کے مالک ہو گئیں تاکہ ان کی طرف سے دی جانے والی پیشکش زیادہ سے زیادہ ہوں۔ ایک طرف وہ بیکٹاک کے شبے میں قدم جمائے ہوئے اور جیف ایگر میکٹ پر فونم چیڑھی کیتھی ہیں لے رکھا ہے۔ ان کے بڑی گروپ کا ٹیل کام کے شبے کوٹھی میں لے رکھا ہے۔ کام کر رہا ہے۔ یہ نیا پلیٹ فارم بھی کامیاب رہا ہے۔

مکیش امبانی چاہتے ہیں کہ امریکا کے امیزوں گروپ کی طرز پر اپنا بہت بڑا ای کامرس پلیٹ فارم دینا چاہتے ہے سامنے لا ہیں۔ اس پلیٹ فارم کو وہ بین الاقوامی رینگ دینا چاہتے ہیں۔

ذراں سے زیادہ اداروں کو خریدنے کے لیے مکیش امبانی نے چند ماہ کے دوران غیر معقول دوڑ ڈھوپ کے دریے کم و بیش میں ارب ڈالر میں قائم "زوام" کو ۱۴ کروڑ ڈالر تک میں خرید سکتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں ریٹیلنگ کے شبے کے بڑے پلیٹ فارم کو خرید لیں تاکہ مسابقت کا کوئی امکان ہی باقی نہ رہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ فرنچیز، انیمیر ڈیزائننگ اور ایسا یہی ہی چند دوسرے اہم شعبوں میں بھی ہاتھ ڈال رہے ہیں۔ مقصود صرف یہ ہے کہ مسابقت کا امکان کمزور تر ہوتا جائے۔ اس وقت مکیش اور ایشل امبانی کاریانش گروپ ٹیل، گیس، ٹیل کام اور ریٹیلنگ کے شعبوں میں غیر معقول اسیکر کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ اب مکیش امبانی نے ریٹیلنگ میں پکھ کہنے سے مددست کی۔ وہ خریداری پر لکھ ہیں۔ قیمت دینے کی پوری تیاری کر لی گئی ہے۔ جو خود کو فردخت کرنا چاہے وہ آگے آگے فرنچیز کے شبے میں "اربن لیڈر" نامی گروپ پر ان کی نظر ہے اور دوسری طرف وہ لیکری بنانے والے ادارے "زوام" کو بھی خریدنے کے موڑ میں ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ وہ چاہتے ہیں کہ گر کے دروازے پر دوائیں فراہم کرنے والے ادارے "میمیڈر" کو بھی بھی میں لے لیں۔ ذراں تھاتے ہیں کہ کئی ماہ سے باستچیت چل رہی

بیروت دھماکا: پُراسار کشی اور آگ کے شعلے

۲۰۱۲ء میں روس کو ایک نیا مالک ملا جو کہ قبرص میں

میتم ایک روی تاجر تھا Igor Grechushkin اس نے یہ کشی

خرید لی، کہا جاتا ہے کہ یہ اس روی تاجر کی بھلی کشی تھی جو اس

نے خریدی۔ Batumi میں سامان کو وصول کرنے کی

وستادیز اس اور سامان کی وصولی کو تسلیم کرنے کی رسیدیں

موجود ہیں فہرست میں Rustavi Azot LLC کا نام درج

ہے جسے امویم نائیریٹ فراہم کی جا رہی ہے، اس کا صارف

موزبین کامن کا بنیان الاقوامی ہیں، یہ موزبین میں ایک چھوٹی

فرم کے طور پر کام کرتا ہے، جس کا کام مہارت کے ساتھ تجارتی

بنیادوں پر دھماکا نیز مواد یعنی امویم نائیریٹ کی تیاری ہے۔

کیپٹن بورس نے روس ناک کشی پر ترکی میں کام شروع

کیا، بی بی سی سے بات کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ کام

شروع کرتے ہی اس میں بڑے بڑے مسئلے نظر آنا شروع

ہو گئے۔ کشی کے پرانے عملے نے فراہم چھوڑ دیا ان کا کہنا تھا

کہ انہیں کافی میں سوں سے تجوہ ادا نہیں کی گئی تھی۔ بورس کے

مطابق نئے عملے نے کام شروع کیا تو انہیں مذکورہ دوسرے سامان

سپلائر کو واپس کرنا پڑا کیونکہ کشی کا مالک اس کے اخراجات

برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ ہنومی میں اس کشی نے ۲۷ فتحے

گزارے، اس کے مالک نے مزید سامان کشی میں لاوے کا

ارادہ کیا تا کہ سوز کیتال کے راستے کا کرایہ ادا کیا جاسکے۔

Boris Prokoshev نے بی بی سی کو مزید تفصیلات بتائیں کہ

مزید سامان میں ہڑک تعمیر کرنے کے سامان کے ساتھ ساتھ

لو ہے کے بھاری رولر بھی شامل تھے۔ کسی نے بھی سامان کے

وزن کا حساب نہیں کیا جب سامان میں سوں کے ذریعے کشی کے

عرشے پر لادا جانے لگا تو انہوں نے فوری طور پر سامان کو

باندھنا شروع کر دیا۔ کیپٹن کے مطابق کشی کے دروازے

زگ ۲۰ لود تھے کیپٹن بورس نے کہا کہ تم اس سامان نہیں لے

جاسکتے، یہ سامان کشی کو توڑ دے گا، کیپٹن کی بات پر توجہ نہیں دی

گئی اور کشی لو ایک خطرناک راستے سے بیروت کی طرف بھیجا

گیا۔ کیپٹن نے اپنی کوششی ترک کر دیں گے۔ نے آنے

والے عملے کو بھی تجوہ نہیں دی جا رہی تھیں، عملے میں جب

تجوہ کی عدم ادائیگی کی وجہ سے پریشانی شروع ہوئی تو Boris

Prokoshev نے قبرص میں موجود انتظامیہ کے دباو کے

ذریعے کشی کے مالک سے معاملات کا حل کا لئے کاموچا میکن

جب اس نے کشی پر بیروت سے واپسی کا سفر شروع کرنا چاہا تو

لبنان کی انتظامیہ اس معاملے میں مداخلت کی۔

لوڈی اعلیٰ جنس ڈینا میں کے مطابق کشی ۲۰ فروری

خاموشی سے خلاء میں گھور رہے تھے ہر طرف اندر ہیرا تھا۔

گھٹاٹوپ اندر ہیرا۔ یہ سب کچھ بند رگاہ پر آگ لگنے سے

شروع ہوا، ابھی تک یہ واضح نہیں کہ آگ کس وقت ہبھڑکی۔۔۔

مقامی وقت کے مطابق شام ۵ نج ۵۲ منٹ پر لاس

انجلیس نام نے پہلی ٹوبیٹ کی، جس میں دھواں آسمان کی

موزبین کامن الاقوامی ہیں، یہ موزبین میں ایک چھوٹی

فرم کے طور پر کام کرتا ہے، جس کا کام مہارت کے ساتھ تجارتی

بنیادوں پر دھماکا نیز مواد یعنی امویم نائیریٹ کی تیاری ہے۔

کیپٹن بورس نے روس ناک کشی پر ترکی میں کام شروع

کیا، بی بی سی سے بات کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ کام

شروع کرتے ہی اس میں بڑے بڑے مسئلے نظر آنا شروع

ہو گئے۔ کشی کے پرانے عملے نے فراہم چھوڑ دیا ان کا کہنا تھا

کہ انہیں کافی میں سوں سے تجوہ ادا نہیں کی گئی تھی۔ بورس کے

مطابق نئے عملے نے کام شروع کیا تو انہیں مذکورہ دوسرے سامان

سپلائر کو واپس کرنا پڑا کیونکہ کشی کا مالک اس کے اخراجات

برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ ہنومی میں اس کشی نے ۲۷ فتحے

گزارے، اس کے مالک نے مزید سامان کشی میں لاوے کا

ارادہ کیا تا کہ سوز کیتال کے راستے کا کرایہ ادا کیا جاسکے۔

Boris Prokoshev نے بی بی سی کو مزید تفصیلات بتائیں کہ

مزید سامان میں ہڑک تعمیر کرنے کے سامان کے ساتھ ساتھ

لو ہے کے بھاری رولر بھی شامل تھے۔ کسی نے بھی سامان کے

وزن کا حساب نہیں کیا جب سامان میں سوں کے ذریعے کشی کے

عرشے پر لادا جانے لگا تو انہوں نے فوری طور پر سامان کو

باندھنا شروع کر دیا۔ کیپٹن کے مطابق کشی کے دروازے

زگ ۲۰ لود تھے کیپٹن بورس نے کہا کہ تم اس سامان نہیں لے

جاسکتے، یہ سامان کشی کو توڑ دے گا، کیپٹن کی بات پر توجہ نہیں دی

گئی اور کشی لو ایک خطرناک راستے سے بیروت کی طرف بھیجا

گیا۔ کیپٹن نے اپنی کوششی ترک کر دیں گے۔ نے آنے

والے عملے کو بھی تجوہ نہیں دی جا رہی تھیں، عملے میں جب

تجوہ کی عدم ادائیگی کی وجہ سے پریشانی شروع ہوئی تو Boris

Prokoshev نے قبرص میں موجود انتظامیہ کے دباو کے

ذریعے کشی کے مالک سے معاملات کا حل کا لئے کاموچا میکن

جب اس نے کشی پر بیروت سے واپسی کا سفر شروع کرنا چاہا تو

لبنان کی انتظامیہ اس معاملے میں مداخلت کی۔

لوڈی اعلیٰ جنس ڈینا میں کے مطابق کشی ۲۰ فروری

Rami Ruhayem & Paul Adams

جب زمین ہلکے ہلکے ہنڑا شروع ہوئی، غیر محسوس طریقے

سے اس وقت ایک اچھتی سی نگاہ بھی کسی انہوں کو محسوس کرنے

کے لیے کافی تھی۔ گھروں میں موجود الماریاں لرزہ رہی تھیں۔

ایک سینکڑ، دو سینکڑ اور پھر تین۔۔۔ سکوت گھر اسکوت جیسے ہر

چیز رک گئی ہو، اس کے بعد ایک زور دار دھماکا زمین کو لرزنا

دینے والا دھماکا۔۔۔!

اس وقت پوری عمارت رازنے لگی تین دھماکے کی آواز

اس قدر زور دار تھی کہ جس کا بیان کرنا ممکن نہیں ہے، دھماکے

سے اکٹھیز میز سے زیادہ فاصلے تک یہ آواز تھی، لبنان کے

واراثتی غافہ سے اٹھتے ہوئے وہیں کو دیکھنے کے لیے لوگ

گھروں کی کھڑکیوں پر بچ ہو گئے اور دھماکے سے کچھ فاصلے

پر بھی لوگوں کا جنم غیر تھا۔ بیروت کے لوگوں کے مطابق ایسا

خوفناک دھماکا زندگی میں پہلی بار ہوا۔

بیروت میں شاہل کی طرف ہائی وے پر زیادہ ٹریک کی

وجہ سے ایک بیسیں ریگ رہی تھیں، دھماکے کی جگہ کے ارد گرد

گاڑیوں کا ایک ہم غیر تھا جو اپنے دوستوں، رشتہ داروں اور

عزمیوں کو ڈھونڈنے اور محظوظ مقام پر منتقل کرنے کے لیے

دھماکے کی سمت بڑھ رہا تھا۔ جبکہ دھرمی طرف گاڑیاں بہت

تیزی سے دھماکے کی مختلف سمت جا رہی تھیں تاکہ جلد از جلد

وہ اس جگہ سے دور چاکیں۔ اس رکے ہوئے ٹریک میں

ریئی یوچیل اور موبائل فون خوفناک خبریں دے رہے تھے کہ

ہپتال بھر چکے ہیں ہزاروں رُخی ہیں اور آگ بھڑکتی چلی

جا رہی ہے۔ جو گاڑیاں بیروت کی طرف بڑھ رہی تھیں انہیں

آری واپسی سے پر مجور کر رہی تھی یا وہ واپس جائیں یا

گاڑیوں سے اتر کر بیسیں اپنا سفر طے کریں۔

بیروت میں داخلی راستے سے کچھ پہلے ہی سڑک کے آخری

کنارے پر ملے کی ٹھکل میں ہر طرف کا ٹھکرے ہوئے

پڑے تھے، جو گھروں کے نیچے آرہے تھے ایک ڈیکٹریزور دار

آواز کے ساتھ لمبے صاف کر رہا تھا۔ عمارتیں ناقابل شناخت

ہو چکی تھیں کہ کیا توٹ جگہ بھاگنا تھا اور آگ بجھانے کا

نظام بھی ناقص ہو چکا تھا۔ کچھ لوگ اندھیرے

میں نظر آرہے تھے کچھ رُخی چل رہے تھے اور کچھ زمین پر پڑے

۲۰۱۲ء میں روس کا احوال

9

”پاپولزم“ بے چین جمہوریت؟

فہرست کا شو شچھوڑتے ہیں اور اس دوران سیاسی کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ عوامیت پسندی کے اس قدر عروج کے سبب اس سیاسی حرబے کے داخلی نظام کو تمحکتی کی ضرورت جس قدر اس ہے پہلے کبھی نہیں تھی۔

عوامیت پسندی ایک سیاسی صورتحال ہے، جس میں عوام کے مفادات کو اشرافیہ کے مفادات کے مقابل لا کر سیاسی فوائد حاصل کیے جاتے ہیں۔ گزشتہ چند برسوں میں عوامیت پسندی کی اصطلاح سیاسی اور صاحفی حلقوں میں بہت شہرت پا پکی ہے۔ اگرچہ عوامیت پسندی عروج پاتا ہوا سیاسی مظہر ہے تاہم اسے بجائے سیاسی حرబے کے اکثر حالیہ عہد کے فیشن کے طور پر دیکھا جا رہا ہے۔ اسے دونوں حاذوں یعنی دائیں بازوں اور بائیں بازوں کی سیاسی تحریکوں کو بیان کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، چاہے وہ سال ۲۰۱۲ء میں برلنی سینڈر رز کی بائیں بازوں کی صدارتی مہم ہو یا پورپ میں دائیں بازوں کے روایت پسند سیاستدانوں کا عروج، والی یہی ہے کہ اصل میں عوامیت پسندی کیا ہے؟

ہم عوامیت پسندی کی اصطلاح کی وضاحت میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سیاست کا ایک نظریہ نظر ہے جس کے دوران سماج کو دو مختلف اور مختلف گروہوں یعنی عوام اور اشرافیہ میں بانٹ دیا جاتا ہے۔ حیرید بر آس عوامیت پسندی اس کوشش میں صروف رہتی ہے کہ ریاستی حکمت عملی عوام کے خیالات کی ترجیح ہو۔ عوامیت پسندوں کا عوامی تصور مختلف اقسام کا ہو سکتا ہے۔ یا تو وہ بالادست ہوں گے یا انہیں محل عوام سمجھا جائے گا یا انہیں قوم سمجھا جائے گا یا انہیں صورتوں کو سمجھا کیا جا سکتا ہے۔

عوامیت پسندی کا تصور بالادست یہ کہتا ہے کہ اشرافیہ نہیں بلکہ صرف عوام ہی سیاسی طاقت کے مالک تصور ہونے چاہیے۔ اسی انتہائی عوام کی صورت گری مشترکہ سماج و معاشی طبقے کے گرد گھوڑتی ہے۔ آخر کار عوام جب اس فہم تک پہنچ جائے کہ وہ ایک قوم ہیں تو تمام افراد کو ایک تو قوم تکثیل دیتے ہیں۔ بد عنوان اشرافیہ عوام کے اس گروہ کے مخالف کھڑی ہوتی ہے۔ اس سے مراد حکمران طبقہ، توئی میڈیا اور سماج کے اہم افراد ہو سکتے ہیں۔ عوامیت پسندوں کے عالمی تصور میں اشرافیہ طبقے کی جہتیں مختلف ہیں مگر وہ ایک دوسرے کو مضبوط بنانے کے لیے کوشش کرتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور

Cas Mudde and
Cristobal Rovira Kaltwasser

عوامیت پسندی (Populism) کی ویسے تو مختلف

تعریفات کی جاتی ہیں لیکن جمیں جو موہر پر اسے ایک ایسی لہر کے طور پر دیکھا جاتا ہے، جو انتظام کو متاثراً اور موجود جمہوری نظام کو اختل پہنچ کرتی ہے۔ یہ اگرچہ ایک حیثیت میں عوامی لہر بھی کھلا تی ہے لیکن اس کا حکم شوریٰ و نکاری جدوجہد نہیں ہوتی، بلکہ اس کا پس منظر غصہ اور بے چینی ہوتے ہیں، جس کا استعمال کر کے کچھ لوگ اقتدار حاصل کرتے ہیں۔ پاپولٹ افراہ اشرافیہ مختلف اور بعض بیرل جمہوری اقدار کے ناقہ ہوتے ہیں۔ ماضی میں کئی پاپولٹ حکومتیں قائم رہی ہیں۔ اس وقت ایک نئی لہر اٹھی ہے جس کے نتیجے میں امریکا سمیت کئی ممالک میں ان نظریات کی حامل حکومتیں سامنے آئی ہیں۔ ڈیچ ملٹری سیاسیات کاں مذی اور ڈیگ پورٹا لیس یونیورسٹی چلی کے اسکول آف پلینکل سائنس (سیاسیات) میں تعینات پر ویسرا کر سوچیں رووفر اکاؤنٹس کی مشترکہ کتاب A Populism: A Very Short Introduction میں مانعہ ریز نظر مضمون میں پاپولزم کی اصطلاح کی علاقائی پس منظر کے لحاظ سے وضاحت کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ عوامیت پسند راستہ کیا کیا خصوصیات ہوتی ہیں اور وہ سماج میں کیسے اپنی جگہ بناتے ہیں۔ اس میں کوئی تجھ نہیں کہ آپ نے عوامیت پسندی کے متعلق سناء ہو گا۔ اس اصطلاح کے مطابق پورپ میں کی روایتی سیاسی جماعتوں اور لاطینی امریکا میں دائیں بازوں کی سیاسی جماعتوں کی شہرت ہوتا ہے۔ اس کے بعد باشہ بنا یاد پرست عوامیت پسندی کی تحریک کے تذکرے سے تو ہم بھی آگاہ ہیں، جس کے نتیجے میں ریاست ہائے تحدید امریکا میں ڈنالڈ ٹرمپ صدارت کا انتخاب جیتے ہیں۔ تاہم سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں کر مکن ہے کہ مخفی ایک اصطلاح اس طرح کی مختلف سیاسی جماعتوں کی وضاحت کر رہی ہے؟ سب سے پہلے تو یہ سمجھنا ہو گا کہ عوامیت پسندی کوئی بہت بڑا سیاسی نظریہ نہیں ہے بلکہ اسے ایک سیاسی حرబ کہنا زیادہ مناسب ہے۔ عوام کے ایک بڑے طبقے کو نام نہاد بد عنوان اشرافیہ کے خلاف اشتغال دلا کر جو عوامیت پسند سماج میں شکایات کی ایک بڑی

۲۰۱۲ء سے یہ روت کے سائل پر موجود تھی، ایک لاکھ ڈالر کی رقم اس کے مالک کے ذمہ واجب الادھمی۔ اعمالے کے کچھ افراد کو اجازت دی گئی کہ وہ کششی چھوڑ سکتے ہیں مگر کیپیٹن اور چیف انجینئر کو کششی چھوڑنے کی اجازت نہیں دی گویا انہیں نے ہمیں یونیورسٹی ہائیلے۔

Boris Prokoshev نے بتایا کہ اس نے مدد کے لیے روی صدر کو ہر ممینے خط لکھے۔ لبرٹی یو کو دیے گئے ایک انٹر دیوب میں انہوں نے بتایا کہ انہیں روی صدر کی جانب سے سخت جواب موصول ہوا۔ جواب خط میں اسے پوچھا گیا کہ آخر وہ بیٹھنے سے کیا چاہتے ہیں، کیا بیٹھنے انہیں آزاد کروانے کے لیے کوئی اپیٹھل فورس میجھیں۔ انٹیشل ٹرانسپورٹ ورکرز فیڈریشن نے عملی کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی۔ ہنی اٹی ایف کی اپیٹھل Olga Ananyina مارچ ۲۰۱۸ء میں لکھا کہ عملی کے پاس کھانے پینے کا ضروری سامان بھی نہیں عمل زندگی کی بھاکی جنگ لڑ رہا ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ Grechushkin سپنی کے پاس اداگی کے لیے پسیے نہیں ہیں وہ عملی کی تجویز ہیں بھی نہیں ادا کر سکتے ان کا خط فمد داروں کو خبردار کر رہا تھا۔ انپکٹر نے اس مسئلے کو مزید اجاگر کرتے ہوئے لکھا کہ عملی کی زندگیاں روکس میں خطرے میں ہیں، روکس میں موجود سامان خطرناک ہے یعنی اس میں امویں تاثیریت موجود ہے۔ بندرگاہ پر موجود اقظامیہ سامان کو اتارنے یا کسی اور کشی پر ڈالنے کی اجازت نہیں دے رہی تھی یہ صورتحال سمندری مسافروں کی مشکلات میں ہزیر اضافہ کر دیتی ہیں۔ انپکٹر نے صرف ایک بارہی خبردار نہیں کیا بلکہ چار میئنے بعد ایک تجارتی وہب سائٹ ”فلیٹ مون“ پر ہبہ سرخیوں میں ایک آرٹیکل بھی لکھا جس میں خطرے سے آگاہ کیا گیا تھا اس کا عنوان تھا ”عملہ تیرتے ہوئے بم میں قید“، اس آرٹیکل میں روکس اور اس میں موجود عملی کا لیہ بیان کیا گیا تھا۔

بندرگاہ کی اقظامیہ لاوارٹ کیتھی کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھی۔ یہ کہا جاتا تھا کہ ”پڑے رہنے“ و خطرناک سامان سمیت۔ پرانی روکس صحیح حالت میں نہیں تھی، ہر روز اس بات کا اطمینان کیا جاتا کہ پانی کہیں کششی کے اندر تو نہیں آپ۔ Boris Prokoshev کے مطابق انہیں کششی پر لدے باقی صفحہ نمبر ۱۵

دلاتے ہیں کہ صرف وہی ان کے بجات دہندہ ہیں۔ موجودہ عہد کی لبرل جمہوریوں میں چاہیے وہ شخصیت پسندی پر بنی کوئی سیاسی رہنماء ہو یا نہاد جو ای ہمدردی کی دعوید اسی کی تفہیم یہ سب لوگوں کو اکسا کر ہی انتخابات میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ بیرون کے عوامیت پسند رہنماء لبرل جمہوری ۱۹۸۰ء کی دہائی میں اسی حرబے کو ازا کے کامیابی حاصل کی تھی۔ اس زمانے میں بیرون کو ایک ختم قسم کی کیمونٹ بخواست اور معاشی بحران کا سامنا تھا۔ اس موقع پر اس جلپانی شزاد بیرون کے زمانے نہ صرف کامیابی سے اپنی شخصیت کے بل بوتے پر عوام کی ایک بڑی تعداد کو اپنے ساتھ ملا کر لوگوں کو بیرون کی اشرافیہ کے خلاف کھڑا کر دیا بلکہ اپنے جلپانی ورثے کو اپنی کامیابی کے لیے استعمال کیا۔ اس طرح اس نے لوگوں کو لینا کہ وہ انہی جیسا ہے۔ اس کا یا یہ نہ رہ تھا: ”تم لوگوں جیسا صدر“۔ اس کی سیاسی تحریک کی دہائی میں ایک قسم کی تبدیلی کا سبب بنی۔ اس نے اسی مقدار بعین عہدہ صدارت چیز کے لیے ایک سیاسی جماعت قائم کی۔ تاہم جب وہ انتخابات جیت گئی تو سیاست کے میدان میں اس کی تحریر کاری اور شخصی کمزوریاں کل کر سامنے آئیں اور وہ اپنے ہی منتخب نمائندوں کو قانون سازی کے عمل کے دوران لوئے رکا۔ جب اس معاملے کا اکٹاف ہوا تو اسے مستحق ہوا پا اور وہ سیاست سے باہر ہو گیا۔

بیرونیا میں شخصیت پرستی پر بنی عوامیت پسند سیاسی حرబے زیادہ کامیاب رہا۔ کیونکہ یہاں عوامیت پسند رہنماء ای وہ موراں نے انتخابات چیز کے لیے خود کو مقامی بولیوں وال دین کی اولاد کیتھے ہوئے شہرت دلائی اور اس حرబے کو ایک سیاسی جماعت تحریک برائے سو شلزم کی مدد سے دو آٹھہ کیا۔ ایو موراں اسی مومنت ٹووارڈ سو شلزم، دونوں نے ہی سال ۲۰۰۰ء کے دوران کامیاب اشتر اکی تھیزیوں کی معاونت سے متصرف پالیسیوں پر بنی شولرل نظام حکومت کے خلاف مہم چلانی تھی۔ یہاں رہنماء کی شخصی کامیابی اور شہرت تھی کہ وہ سال ۲۰۰۲ء کے بعد ۲۰۰۶ء اور پھر ۲۰۱۳ء کے انتخابات میں بھی کامیاب ہوا۔

یہ کوئی آسان مرحلہ نہیں ہے کہ آپ عوامیت پسند سیاسی رہنماء جائیں اور اپنی شخصیت کو اس طرح تعمیر کریں کہ لوگ آپ کی ذات میں اپنی خواہش اور نمائندگی دیکھنے لگیں۔ عوام کو یہ لینی دلانے کے لیے کہ وہ اشرافیہ کا حصہ نہیں ہیں عوامیت پسندوں کو بہت سی شخصی خصوصیات کے ساتھ ساتھ بہت احتیاط سے چلتا پڑتا ہے۔ ایک خوبی جو تمام عوامیت

اس مرحلے پر ختم ہوتی ہے اور ان کی میزبان سیاسی نظریات کی اہمیت کھل کر سامنے آتی ہے۔ مثال کے طور پر بائیں بازو کی تحریک جو وال اسٹریٹ پر قبضہ کرنے کی بات کرتی ہے، اشتر اکی نظریات کی حاصل ہے۔ وہ ایسے امریکیوں کی نمائندگی کا دعویٰ کرتی ہے، جو امریکی سماج کے مرکزی دھارے سے اپنی غربت کے سبب خارج ہیں۔ یہ تحریک واشنگٹن اور وال اسٹریٹ میں پیش ہوئی طاقترا ایمیر اشرافیہ کے خلاف ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ وہ امریکی عوام کا ۹۹ فیصد ہے جس کا مقابلہ مخفی ایک فیصلہ سیاسی طبقے ہے۔ اس کے بر عکس ٹی پارٹی تحریک کا انحصار اسی حکمت عملی سے ہے جو خارجی عوامل کو قول نہیں کرتی اور یہ ایک روایت پسند نظریات کی حاصل ہے۔ اگرچہ یہی کوئی حکمتی فیصل آٹھ کے حمایتی نہیں تھے تاہم ان کا یہ خیال بالکل مختلف ہے کہ یہاں اشرافیہ سے کیا مراد ہے۔ مثلاً معاشی طور پر بحال یونان میں باائزیں بازو کی سیاسی جماعت سیریز اسے اقتدار حاصل کرنے کے لیے معاشی اشرافیہ کے خلاف ان لوگوں کو سیاست میں متحرک کیا، جو پہلے پہل سیاسی سرگرمیوں میں دلچسپی نہیں لیتے تھے۔ چونکہ یہاں معاشی طور پر دشمن ادارہ وال اسٹریٹ نہیں تھا تو اسی کی طرز پر لوگوں کی معاشی مشکلات کا ذمہ دار یورپین سینٹرل بک اور آئی ایک ایف کو تھہرایا گیا۔

عوامیت پسند رہنماء عوام میں مقبولیت اور سیاسی کامیابی کے لیے شخصیت پسندی کا حربہ بھی استعمال کرتے ہیں۔ جب بھی آپ عوامیت پسند رہنماء کے متعلق سوچتے ہیں تو آپ کے ذمہ دار میں کیا شیئیں ابھرتی ہے؟ عموماً ایک کریمی شخصیت کا ذمہ دار یورپین سینٹرل بک اور آئی ایف کو تھہرایا گیا۔

یہ تحریک باائزیں بازو سے ابھری ہو یا دائیں بازو کی قوم پرست سیاسی تحریک سے، ان کے درمیان تفاوت اس وقت بہت واضح ہو جاتا ہے، جب تاہم وہ باہم جانچنے جہاں سے یہ تحریک اٹھ رہی ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر بیسویں صدی کے امریکا میں ایسے میزبان سیاسی نظریات کے متعلق جائزہ لینے کی کوشش کی جائے جنہوں نے عالمی معاشی بحران کے عہد میں عوامیت پسند سیاسی حرబے کو فروغ دیا تو باائزیں بازو کی تحریک اکوپائے وال اسٹریٹ اور دائیں بازو کی ٹی پارٹی مومنٹ کی مثال ہمارے سامنے آتی ہے۔ اگر دونوں گروہوں کو پہلی نظر دیکھا جائے تو دونوں ہی بہت حد تک ایک جیسے دھکائی دیں گے۔ دونوں ہی سال ۲۰۰۸ء کے معاشی بحران میں حکومت کی جانب سے بیل آٹھ تیک کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ دونوں ہی نے امریکی عوام کے حقوق کے لیے نعرے لگائے اور دونوں ہی نے ”وال اسٹریٹ“ کی بد عنوان ایمیر اشرافیہ کے خلاف ”مین اسٹریٹ“ ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس مثال میں دونوں ہی کے درمیان اتفاقی صورتحال

پر جو لوگ امر اکے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں انہیں دیکھا جاسکتا ہے کہ وہ عوامی خواہشات کے بر عکس اپنے ذاتی مفادوں کے لیے سیاسی اشرافیہ کو مضبوط سہارا فراہم کرتے ہیں۔ یہ عوامیت پسندی کا آخری اہم عصر ہے، جسے اٹھاں ویں صدی کے فلسفی ڈائل ڈاک رومنے عوامی خواہش کا اصطلاحی نام دیا تھا۔ روس نے اس اصطلاح کے ذریعے عوام کی اس خوبی کا ذکر کیا، جس کے مطابق وہ اپنے مفادوں کے لیے اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ اور یہ خوبی، جسے عوامی خواہش کا نام دیا گیا ہے، کی وجہ ہی سے ہے کہ عوامیت پسند رہنماء سامنے آتے ہیں۔ اس رہنماء کے لیے لازم ہے کہ وہ عوامی خواہش کو پیچانے سکے اور افراد کا ایک ایسا گروہ قائم کرنے میں کامیاب ہو جاؤں کا ہم خیال ہے۔

اگرچہ علاقائی پس منظر عوامیت پسند سیاست کے لیے ایک کلیدی اہمیت کا حاصل ہے تاہم اس درمیان سیاسی نظریہ پر یہ عوامیت پسند سیاسی حرబہ استعمال کیا جا رہا ہو وہ بھی اہمیت رکھتا ہے۔ ہر اوقیانوس کے دونوں جانب چاہے وہ دائیں بازو کا سیاسی نظریہ ہو یا دائیں بازو کا، عوامیت پسند سیاسی روایات عوام میں شہرت پار ہے ہیں۔ اگرچہ عوامیت پسند سیاسی تحریکیوں میں بہت سی اقدار مشترک ہوتی ہیں تاہم وہ باہم مختلف سیاسی پس منظر سے ابھرتی ہیں۔ لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اکثر ایک دوسرے سے بہت مختلف دھکائی دیتی ہیں۔ چاہے پتھریک بائیں بازو سے ابھری ہو یا دائیں بازو کی قوم پرست سیاسی تحریک سے، ان کے درمیان تفاوت اس وقت بہت واضح ہو جاتا ہے، جب تاہم وہ باہم جانچنے جہاں سے یہ تحریک اٹھ رہی ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر بیسویں صدی کے امریکا میں ایسے میزبان سیاسی نظریات کے متعلق جائزہ لینے کی کوشش کی جائے جنہوں نے عالمی معاشی بحران کے عہد میں عوامیت پسند سیاسی حرబے کو فروغ دیا تو باائزیں بازو کی تحریک اکوپائے وال اسٹریٹ اور دائیں بازو کی ٹی پارٹی مومنٹ کی مثال ہمارے سامنے آتی ہے۔ اگر دونوں گروہوں کو پہلی نظر دیکھا جائے تو دونوں ہی بہت حد تک ایک جیسے دھکائی دیں گے۔

اس سے پلٹنے کا طریقہ کارکیا ہو سکتا ہے؟ فلن لینڈ کی مثال میں بدعونی کا اسکینڈل اشیائی مشتمل کے عمل سے پھایا گیا تھا کہ اس نے اپنے منتخب نمائندگان کو ایک شفاف اقتصادی نظام کے سامنے بیٹھنیں کیا۔ اس طرح کے اقدامات سے ان خیالات کو تقویت ملتی ہے کہ اس اشیائی مشتمل کی سیاسی جماعتیں صرف اور صرف اشرافیہ پر مشتمل ہوتی ہیں اور انہی کے مفادات کا خیال رکھتی ہیں۔ عوام کے جذبات اور خواہشات کو لفڑا نداز کرنے کی اشیائی مشتمل کی حکمت عملی عوامیت پسند تحریریکوں کے عروج کا باعث تھا ہے۔ لہذا اشیائی مشتمل کی سیاسی جماعتوں کوچاہیے کہ وہ اپنے معاملات اور ناکامیوں کے متعلق حق بولیں اور ایمانداری سے کام لیں۔ جہاں وہ اپنی کامیابیوں کا ڈھنڈوڑا پہنچنے ہیں وہیں انہیں چاہیے کہ وہ اپنے معاملات میں شفافیت کا خیال رکھیں اور جب ان کی حکمت عملی ناکام ہو تو اس کی ذمہ داری قول کریں۔ مزید برآں اشیائی مشتمل کے پوروڑہ سیاستدانوں کوچاہیے کہ وہ ان سوالوں کے ضرور جواب دیں جو عوامیت پسند سیاستدان اخaltaتے ہیں۔ بجاۓ عوامیت پسند خواہشات کو تحریریں اور اس کے احساسات کو نظر سیاستدانوں کے حامیوں اور عام و وظیوں کے احساسات کو نظر انداز کرنے کے، مرکزی دھارے کی سیاسی جماعتوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے ایجنسیوں کے اور اقدامات، دونوں کے ذریعے عوامی خواہشات کو تحریری کی کوشش کریں۔

ایک طریقہ یہ یہی ہو سکتا ہے کہ مرکزی دھارے کی سیاسی جماعتیں انتخابات کے دوران عوامیت پسند سیاسی جماعتوں کے ساتھ انتخابی اتحاد کر لیں تاکہ عوام کو یقین دلایا جاسکے کہ مرکزی سیاسی جماعتیں عوامی خواہشات سے آگاہ ہیں اور ان کا انتظام کرتی ہیں۔ عوامیت پسند سیاسی رجحان عوامی خواہشات کو اشرافیہ کے مقابلے میں کھڑا کرتا ہے۔ عوامیت پسند یہ پہنچ مختلف سیاسی رجحان مختلف انجیلوں سیاسی جماعتوں میں تحرک ہو سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایکیس پسند بائیں بازو کے سیاسی نظریات ہوں یا دوائیں بازو کے، ایک اور جو عوامیت پسند اپنی انتخابی کامیابی کے لیے استعمال کرتے ہیں وہ ان کا اپنی شخصیت پر زور دینا ہے۔ اس دوران اشرافیہ کے بخلاف اپنی شخصیت کے عوامی پہلووں عوام کے سامنے رکھتے ہیں۔ چونکہ عوامیت پسند سیاسی رجحان پوری دنیا میں پھیل رہا ہے لہذا یہ لازم ہے کہ اس سیاسی حرబے کو سمجھا جائے کہ اس کی جزیں کہاں بیوست ہیں اور یہ کس طرح مضبوط ہوتا ہے تاکہ اس کے سیاسی نقصانات سے نجٹ کا لائن گل بنا جاسکے۔

(حوالہ: "تجزیت ڈاٹ کام")

ایک عوامیت پسند رہنماء عوام کو اپنے سمجھا ہونے کا یقین دلاتا ہے اور وہی انہیں بحران سے نجات دلاتا ہے۔

جب کسی رہنماء میں عوامیت پسندی کے روحانیات مل جائیں تو پلٹن مشکل ہو جاتا ہے۔ چونکہ مغربی ممالک میں عوامیت پسندی کا رجحان بڑھ رہا ہے تو یہ جاننا بہت لازم ہے کہ کسی رہنماء میں اسی نشانیاں جانچنے کا پہلا مرحلہ کیا ہے۔ سب سے واضح نشانی جو کسی بھی عوامیت پسند رہنماء میں سامنے ہوتی ہے، وہ اس کا قائم شدہ سیاسی جماعتوں سے مکانت کھانے کا خوف ہوتا ہے۔ ۰۸۔۲۰۰۷ء کے معاشی بحران کے بعد اس طرح کے رویہ ہر جگہ ہر ہے ہیں۔

جب ایک ووڑی یہ محسوس کرتا ہے کہ اس نے جس رہنماء کو منتخب کیا ہے، وہ اس کی سیاسی نمائندگی نہیں کر رہا تو عوامیت پسند انہیں یقین دلاتا ہے کہ اس کا کوئی قصور نہیں ہے بلکہ جو نظام اس وقت مل رہا ہے وہ ناکام ہو چکا ہے۔ مثال کے طور جب یونان میں سوچل جمہوریت پسند رہنماء جاری ہو پانچ دن یو نے معاشی بحران سے نجٹنے کے لیے ساڑی پسند پالیساں ترتیب دیں تو اس کے حامیوں نے اس عمل کو اس پارٹی کی جانب سے دھوکا دہی تصور کیا، جسے وہ ووٹ دے کر اقتدار میں لائے تھے۔ اس صورتحال نے عوامیت پسند سیاست کے لیے موزوں ماحول تیار کر دیا جاں بائیں بازو کے حمایت یافتہ سیریز اپنے پیش رو کے برلکس سیاسی تحریک چلا کرتا تھا کامیابی حاصل کر لی۔

اس کے علاوہ مرکزی میڈیا بھی عوامیت پسند سیاسی روحانیات کے لیے کلیدی اہمیت کا حامل ہے۔ مثال کے طور پر فن لینڈ میں سال ۲۰۱۱ء کے انتخابات کے دوران وائیں بازو کی عوامیت پسندی سیاسی جماعتیں تو فن لینڈ کے ملک میں پہنچنے کے غیر قانونی بابیں تو انہوں نے کھلے عام کہا کہ ممکن ہے کہ یہ بھی ہو۔ میں ایک خوب و خشن ہوں، بہت سی عورتیں یہ جاتی ہیں کہ میں ان کے بچوں کا بابا ہوں۔ اپنی مردگانی کا مردی اپنے اس طریقے سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ بسا واقعات یہ رہنماء تحریک کی زبان میں بات کرتے ہیں اسی طرح جنی طور پر قوش گنگلوکرنا عوام کو یقین دلاتا ہے کہ ویسی ہی گنگلوکر تے ہیں جو ہر دسرا مرد کرتا ہے۔ آخروں عوامیت پسند اپنی خوبیوں کو ایک کرشمے کی صورت ظاہر کرتے ہیں۔ جیسا کہ جرمن ماہر عمرانیات میکس ویر نے کہا تھا کہ ایسا سیاستدان جو خدا کا تھا ہو۔ کرشمے کا مطلب ہے کہ ایک فرد اپنے آپ کو عوامی مفاد کے لیے پیش کر دے۔ دیگر لفظوں میں

پسندوں میں میکاں ہوتی ہے، وہ یہ کہ وہ عوام کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ وہ ایک مضبوط رہنماء ہیں۔ لوگوں کے ساتھ اپنے رابطے کی عملی صورت کا مظاہرہ کرنے کے لیے عوامیت پسند رہنماء مختلف کروار بھاتتے ہیں۔ ایسے رہنماء عوام کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ وہ کسی بھی سیاسی جماعت سے زیادہ آزاد ہیں لہذا وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ان عمومی بندشوں سے آزاد تصور کرتے ہیں جو مگریساً سیاستدانوں پر لاگو ہوتی ہیں۔ اس لحاظ سے ایک عوامیت پسند رہنماء اپنی سیاسی خواہش کی طاقت کا اٹھا کر سکتا ہے کہ وہ سیاسی اقتدار کو خاطر میں نہیں لاتا۔ یوں وہ عوام کو یقین دلاتا ہے کہ وہ انہی کا ایک حصہ ہے۔ لیکن یہ سب ثابت کرنے کے لیے محض الفاظ کافی نہیں ہوتے، لہذا ایک عوامیت پسند رہنماء کو عملی اقدامات بھی اٹھانے ہوتے ہیں۔ چاہے کسی معاملے پر ان کا اقدام ماہرین کی رائے سے متفاہم ہی کیوں نہ ہو۔ وہ ان فیصلوں سے نہیں گھبرا تے جو ان کی واثت میں لازمی اور ضروری ہوں اور ان پر فوری عمل درآمد کرنا ہو۔ عوامیت پسند کا عہد عواماً سیاسی بحران اور افرغ تحریک کے وقت پروان چڑھتا ہے تو عوامیت پسند رہنماء امن و امان کی غیر یقینی صورتحال کے دوران پڑھو لے فیصلے کے افرغ تحریکی مچا دیتے ہیں۔

چونکہ اکثر ہر عوامیت پسند رہنماء ہوتے ہیں لہذا وہ اکثر اپنی مردگانی ظاہر کرنے کے لیے اپنی ازدواجی زندگی اور جسمانی تعلقات کا برمل اٹھا کر تے ہیں تاکہ وہ عوام کو یہ ظاہر کر سکیں کہ وہ نصف طاقتوں اس امر وہیں بلکہ یہ بھی کہ ان کے رویے عام لوگوں میں ہے ہیں۔ مثال کے طور پر الٹی کے عوامیت پسند رہنماء سلوپیوں کو اس الزام کا سامنا کرنا پڑا کہ وہ ایک پچھی کے غیر قانونی بابیں تو انہوں نے کھلے عام کہا کہ ممکن ہے کہ یہ بھی ہو۔ میں ایک خوب و خشن ہوں، بہت سی عورتیں یہ جاتی ہیں کہ میں ان کے بچوں کا بابا ہوں۔ اپنی مردگانی کا مردی اپنے اس طریقے سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ بسا واقعات یہ رہنماء تحریک کی زبان میں بات کرتے ہیں اسی طرح جنی طور پر قوش گنگلوکرنا عوام کو یقین دلاتا ہے کہ ویسی ہی گنگلوکر تے ہیں جو ہر دسرا مرد کرتا ہے۔ آخروں عوامیت پسند اپنی خوبیوں کو ایک کرشمے کی صورت ظاہر کرتے ہیں۔ جیسا کہ جرمن ماہر عمرانیات میکس ویر نے کہا تھا کہ ایسا سیاستدان جو خدا کا تھا ہو۔ کرشمے کا مطلب ہے کہ ایک فرد اپنے آپ کو عوامی مفاد کے لیے پیش کر دے۔ دیگر لفظوں میں

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عوامیت پسند رجحان اور اس

نوعیت کی سرگرم سیاست کو اعتدال کا راستہ کیسے دکھایا جائے۔ یا

کراچی کا المیہ؟

مگر جب عمل کی بات آئے تو کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ جنہیں یہ شہر چلانے کو ملتا رہا ہے انہوں نے محض مال بتوڑے پر توجہ دی ہے۔ معاملات کو سلسلہ نظر انداز کیے جانے سے کیفیت یہ ہو گئی ہے کہ اہل کراچی آج بھی ۱۹۵۰ء کے عشرے کے ما جعل میں ہی رہے ہیں۔ بنیادی ڈھانچا جواب دے چکا ہے۔ شہر یوں کو اپنا تینی بیانی سہوتوں کی فراہمی بھی ڈھنگ سے لقینی بنا انتہائی دشوار ہو چکا ہے۔ اتنے بڑے شہر میں زندہ رہنے کی بہت بھاری قیمت ادا کرنا پڑ رہی ہے۔ دو وقت کی روٹی اور چھوٹ کا اہتمام کرنے پر زندگی کا بڑا حصہ ضائع ہو رہا ہے۔ کسی بھی شہر کی اس سے بڑی بد صیہی کیا ہو سکتی ہے کہ اس کے کمین عمومی طرز زندگی بھی ڈھنگ سے ملنکر نہ ہاپا کیں۔

صوبائی اور معقولی کا ہٹکڑا ہے کہ عشوروں سے جاری ہے اور ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا۔ کوئی مانے یا نہ مانے، اس وقت سندھ عملہ شہری اور دینی قسم کا شکار ہے۔ فذ مختص کرنے کے معاملے میں بھی جانب دارانہ اور انتیازی سوچ کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شہری علاقوں کو نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ یہ بات تو افسوس ناک ہے ہی، مگر اس سے کہیں زیادہ افسوس ناک حقیقت یہ ہے کہ دینی علاقوں کے فذ بھی کھاپی لیے گئے ہیں۔ پاکستان پہلی پارٹی پر اخراج ہے کہ اس نے شہری سندھ پر توجہ نہیں دی، بنیادی ڈھانچا بہتر نہیں بنا یا اور لوگوں کو تعلیم و حوت کے ساتھ ساتھ روزگار کی سہولت فراہم کرنے میں بھی دلچسپی نہیں لی۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلی پارٹی نے دینی سندھ پر بھی خاطر خواہ توجہ نہیں دی۔ سندھ کے پیشتر شہری علاقوں میں اردو اور دیگر زبانوں کے بولنے والوں کی اکثریت ہے۔ اگر ان کے حصے کے فذ بھی سندھ پر لگا دیے جاتے تو بھی کوئی دکھ کی بات نہ تھی کہ عوام کو کچھ تو ملا۔

کراچی کا معاملہ یہ ہے کہ جسے جہاں مینڈیٹ ملا، اُس نے وہاں نقاب لگائی ہے۔ مینڈیٹ کو بھی بعض تظییموں اور جماعتیں نے باپ کی جا گیر سمجھا ہے۔ کراچی میں پیشتر سرکاری زمین کو چنانکہ کے دریے نہ کھلایا گیا اور سندھ کے دیگر علاقوں کو وہاں کے اسٹیک ہولڈرز نے تباہی کے دہانے تک پہنچا دیا۔ ہر طرح کے سرکاری فذ کی ہندر بانٹ کا یہ عالم ہے کہ لوگوں کو عشرہ عشیرہ تک نہیں مل پاتا۔ یاروں نے ندی نالے بھی نہ چھوڑے۔ چھوٹے نالوں پر دکانیں بنی ہوئی ہیں اور بڑے نالوں اور ندیوں کی زمین کو رہائش مقاصد کے تحت ہڑپ کر لیا گیا ہے۔ یہ بھی نہ سچا گیا کہ ندی نالوں کی زمین پر قبضہ کر کے اپنی ہی موت کا سامان کیا جا رہا ہے۔ ملیر

نے کاروبار کھونے والوں کو خوف کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔

ملک کے بیشتر دورافتہ علاقوں میں معاش کے ذریعہ کم ہیں اور معیار زندگی پست ہے۔ جہاں بنیادی مسائل ہی ڈھنگ سے مل نہ ہو پاتے ہوں وہاں زندگی کا معیار بلند کرنے کی سوچ کہاں سے پروان چڑھے؟ یہی سبب ہے کہ جب کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ اہل خانہ کے لیے کیا اور کیسے کرے تو وہ کراچی کا رخ کرے۔ یہ بالکل نظری ہے کیونکہ اور کوئی راستہ نہیں۔ لاہور اور اپنڈی میں دوسروں کو پروان چڑھانے کی زیادہ گنجائش نہیں۔ کچھ یوں بھی ہے کہ ان دونوں شہروں میں باہر سے آنے والوں کو قبول کرنے کا راجحان اور وسعت قلب و نظر کم ہے۔ جو لوگ کہیں آ کر لاہور اور پنجاب کے دریے شہروں میں کاروبار شروع کرتے ہیں اُن کے حوالے سے عجیب رو یہ رواز کھا جاتا ہے۔

ملک بھر کے لوگ آ کر کراچی میں آباد ہوئے ہیں۔ ان میں سے بیشتر کا قیام عارضی کیونکہ وہ کمائے آتے ہیں۔ ان کی اولین ترجیح یہ ہوتی ہے کہ کچھ نہ کچھ کما کر اہل خانہ کو سمجھیں۔ اگر یہ اہل خانہ کو بھی یہاں رکھیں گے تو ڈھنگ سے بھی نہیں پا سکیں گے۔ عارضی ہی کہیں، تین چالیس لاکھ افراد کے سکونت پذیر ہونے سے مسائل تو پیدا ہونے ہی ہیں۔ آبادی میں اتنا بڑا اضافہ محض بنیادی سہوتوں کے حوالے سے نہیں بلکہ معافیت کے حوالے سے بھی مسائل اور پچیدگیاں پیدا کرتا ہے۔

کراچی میں کس کاروبار یہ لگا ہوا ہے؟ صرف اہل شہر کا؟ جی نہیں۔ اہل شہر بھی اس شہر میں اپنا سرمایہ لگاتے ہیں مگر جو کچھ دکھائی دے رہا ہے وہ صرف انہی کا نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو شہر کب کا ہر یہ خرایوں سے دوچار ہو چکا ہوتا۔ کراچی میں ملک بھر کے لوگوں نے سرمایہ لگا رکھا ہے۔ کسی کاروباری برادریاں یہاں اپنے اسٹیک رکھتی ہیں۔ یہ سکلوں ارب روپے کی سرمایہ کا ری تخفیط بھی چاہتی ہے تاکہ ہاڑ اور ٹاہت ہو۔ یہ سرمایہ کاری پوری توجہ چاہتی ہے۔ اگر شہر کو نیا رنگ روپ دیا جائے تو وہ دن دور نہیں جب صرف ملک سے نہیں بلکہ یہ وہن ٹک سے بھی لوگ یہاں مزید اور غیر معمولی سرمایہ کاری کو ترجیح دیں گے۔

کراچی کو بُرنسِ حب کہتے لوگوں کی زبان نہیں سوچتی،

ابو صباحث

کراچی ملک کے لیے حقیقی مفہوم میں ریڑھ کی ہڈی ہونے کے باوجود اب تک سائلخانہ بننا ہوا ہے۔ شہر کیا ہے، چیختا ہے۔ معاملات اس قدر اچھے ہوئے ہیں کہ کہیں کسی بھی معاملے کا کوئی سر اہم تھا نہیں آتا۔ شہر کی صورت حال دیکھ کر یہ صرع یاد آئے بغیر نہیں رہتا۔

اے کمال افسوس ہے، تجوہ پر کمال افسوس ہے بعض معاملات اتنے عجیب ہیں کہ لا کو کوشش پر بھی سمجھ میں نہیں آتے۔ اب بھی دیکھیے کہ شہر قائد سمندر کے کنارے آباد ہے مگر پیاسا ہے۔ اور پیاس بھی یہی جاری ہے۔ محرومی کا احساس ہے کہ دل و دماغ کی جان نہیں چھوڑتا۔ شہر مختلف النوع طبقات میں متفہم ہے۔ ہر طبقہ چاہتا ہے کہ وسائل کا غالب حصہ اس کے حصے میں آئے۔ سب اپنے اپنے استیک سے بڑھ کر حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

جرت فتح کیسے ہو کر وسائل کی کمی نہیں مگر پھر بھی مسائل ہیں کہ دو چند ہوئے جاتے ہیں۔ کیوں؟ ملک کا سب سے بڑا شہر اور مسائل کا گڑھ؟ بات عجیب ہی سچی ہے۔ کوئی کیا سمجھے؟ اہل شہر کی زبانیں خاموش ہیں مگر جو سوال لکھے ہیں۔ ہر طرف سوال ہی سوال ہیں۔ ہر سوال جواب کا منتظر ہے۔ اور جواب، بظاہر، اُن میں سے کسی کے پاس نہیں جو شہر کو ہر اعتبار سے اپنا استیک ہی نہیں، جا گیر بھی ماننے ہیں۔ محض کہ دینے سے تو کوئی استیک ہولڈر نہیں ہو جاتا۔ جنہیں شہر کو اپنا چاہیے وہ اسے باپ کی جا گیر سمجھ بیٹھے ہیں۔ استیک ہولڈر ایک مدت سے مزے ٹوٹ رہے ہیں۔ شہر آمدی کا ذریعہ ہے۔ تجوہ یاں بھری جاری ہیں مگر مسائل کے حل کی کسی کوکل لاحق نہیں۔ سواد و کروڑ سے زائد آبادی کے شہر پر کوئی بھی متوجہ ہونے کو تیار نہیں۔

کراچی میں آبادی پہنکہ متنوع ہیں اس لیے مسائل بھی ادق تر ہوئے جاتے ہیں۔ معاش کے اعتبار سے یہ شہر ایک نجت سے کم نہیں کوئی بھی کاروبار جتنی تیزی سے کراچی میں جتا ہے کہیں اور نہیں جرتا۔ اس کا ایک بنیادی سبب یہ ہے کہ شہر مجموعی طور پر وسیع القلب اور وسیع انتظر ہے۔ لوگ نئے آئے والوں کو کلکدل سے اور کسی لمحن کے بغیر قول کرتے رہے ہیں۔

سیاحوں کی غیر معمولی وجہی ہو۔ کراچی کا ساحل قدرتی طور پر اس قدر مزوزوں ہے کہ اسے ترقی دینا کوئی بہت بڑا دروس رہنیں۔ اس معاملے میں دینی کے تجربے سے مستفید، وہ جا سکتا ہے۔ کراچی میں اب بھی ایسے کئی ملاتے ہیں جن پر خاطر خواہ توچ نہیں دی گئی تھوڑی سی توجہ سے ان علاقوں کو پوری دنیا کے لیے انتہائی پرکشش بنایا جاسکتا ہے۔ ہاں بے۔ میرزا ازرم پوکشت اور چند درمرے ساحلی علاقوں کو ترقی دے کر غیر ملکیوں کے لیے انتہائی پرکشش بنانا کچھ دشوار نہیں۔ یوں شہری سیاحت کو بھی تیزی سے فروغ دیا جاسکتا ہے۔

چند ایک علاقوں کو اچھی طکل دے کر یا چند نئے علاقوں میں الاقوامی انداز سے بسا کر باقی شہر کو بے یار و مددگار جھوڑ دینا، پست تر معیار زندگی کی بھی میں جھوک کہ دینا کسی بھی اعتبار سے مسلسل کا حل نہیں۔ پورے شہر کو توازن کے ساتھ ترقی دینا لازم ہے۔ کراچی کے چند ہی علاقوں اچھی حالت میں ہیں۔ ان علاقوں میں وہ لوگ رہائش اختیار کر سکتے ہیں جن کی مالی حیثیت انتہائی غیر معمولی ہو۔ ایسے دوچار علاقوں کے ہونے سے شہر کو حقیقی مفہوم میں ترقی یافتہ تر نہیں دیا جاسکتا۔ اگر پورے شہر کو توازن کے ساتھ ترقی دی جائے تو یہ ورنی سرمایہ کا رہی خوشی خوشی یہاں آئیں گے۔

لازم ہے کہ شہر میں رہنے والے اور بالخصوص غیر مقامی افراد اسے صدقی دل سے ”اوون“ کریں، اپنا کہیں، اپنا سمجھیں اور اپنے عمل سے بھی یا ثابت کریں۔ کوئی یہاں آکر بے ضرور کرنے کے بعد بوریا مسٹر لپیٹ کر گزر چھوڑوئے کی ذہنیت کے ساتھ نہیں۔ یہاں سے جو کچھ کمایا جائے اُس کا ایک محتول حصہ اس پر خرچ بھی تو کیا جائے۔ اس معاملے میں مقامی اور غیر مقامی آبادی کو مول کر پوری دیانت اور اگر کے ساتھ کام کرنا ہوگا۔ شہر کے لیے محتول رویہ اپناتے ہوئے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ صرف کمانے کا نہ سوچا جائے بلکہ شہر کو اپنے گرد پر بھی توجہ دی جائے۔

کراچی کسی کی جا گیر تھا نہ ہے۔ اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ یوں بھی کوئی خط ارض اُسی کا ہوتا ہے جو اُس سے محبت کرتا ہے، اُسے اپناتا ہے، اُس کے لیے محبت کرتا ہے اور اُسے ترقی دینے کے بارے میں سوچتا ہے۔ کراچی کو حقیقی مفہوم میں ترقی سے ہم کنار کرنے، ہم آہنگی کا مسکن بنانے اور زیادہ سے زیادہ خوشحالی تھیں بنانے والا شہر بنانے کے لیے لازم ہے کہ مقامی و غیر مقامی کاشتا نگتم کیا جائے، یہاں لئنے والوں کو یقین دلایا جائے کہ یہ شہر اول و آخر ان کا ہے اس لیے اس سے محبت

فالصہ کا سفراب شدید عذاب کا مترادف ہو کر رہ گیا ہے۔

۱۹۸۵ء کے بعد سے کراچی کی سب سے بڑی اسیک

ہولڈ رائیم کیا تم رہی ہے۔ چار سال قبل کراچی پر یہیں کلب کے باہر دھرنا دینے والوں سے خطاب کے دوران ایم کیا یم کے بانی الطاف حسین نے جو کچھ کہا اُس نے پارٹی کے پورے ڈھانچے یا وجود کی ایسٹ سے ایسٹ بھادی۔ تب سے اب تک یہ تنظیم شدید گراوٹ کا شکار ہے۔ ان چار برسوں کے دوران بھی کراچی کا لطمہ و نقش ایم کیا یم کے ہاتھ میں رہا۔ شہر کا میسٹر ایم کیا یم ہی سے تھا۔ پھر بھی تنظیم کوئی راج ہے۔ عام آدمی کا کوئی ایک مسئلہ بھی حل نہیں ہو پا یا ہے۔ پانی، بجلی اور گیس میں سے کچھ بھی پر ضرورت نہیں۔ شہر کی ضرورت کے مطابق بجلی پیدا کرنے پر توچ نہیں دی جاتی۔ ہاں، وصولی بھر پوری جاتی ہے۔ بجلی چانے کا رواج عام ہے۔ کئی علاقوں میں کنڈے رکر بڑے پیانے پر بکلی چائی جاتی ہے۔ اس خارے کی وصولی بھی ان سے کی جاتی ہے جو باقاعدگی سے بل ادا کرتے ہیں۔ سواد کروڑ سے زائد آبادی کے شہر کاری سٹی پر جو بڑی سوتیں میسر ہیں وہ اپنائی ناکافی ہیں۔ میڈیکل مافیا نے علاج جیسے انتہائی بیانادی معاملے کو بھی خوب شعبے کے حوالے کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ لوگ چھوٹی موٹی بیماری کا علاج کرانے کے لیے بھی اپنالوں اور کلینیکس کا سہارا لینے پر مجبور ہیں۔ علاج سے قلیل ثیسٹ کے نام پر بھی لوگوں کی حیب سے بہت کچھ نکلوالا جاتا ہے۔ جب علاج کی باری آتی ہے تب تک مریض کے متعلقین غیر معمولی اخراجات سے ادھ موئے ہو چکے ہوتے ہیں۔

تعلیم عامہ کے معاملات کو بھی بے لگام چھوڑ دیا گیا ہے۔ پورے ملک کی طرح ہلکی کراچی کی اکثریت بھی بچوں کو پرائیمیٹ اسکولوں میں پڑھانے پر مجبور ہے۔ سرکاری اسکول اول تو ضرورت کے مقابلے میں بہت کم ہیں اور جو ہیں اُن کا معیار بھی بہت پست ہے۔ تریں کی نگرانی کا محتول انظام نہیں۔ عوام بھی سرکاری اسکولوں کا معیار بلند کرنے پر منتجہ نہیں ہوتے۔

حدیہ ہے کہ کراچی جیسے بڑے شہر کے لیے اب تک ماس ٹرائزٹ کا محتول نظام نہیں لایا جا سکا۔ کبھی ٹرانسپورٹ مافیا آڑے آگئی اور کبھی سرخ فیٹ نے سب کچھ ہڑپ کر لیا۔ کراچی میں عام آدمی کے لیے روزانہ کام پر جانا اور واہیں آنا ایک اذمیت ناک مرحلہ ہے۔ سوال دوچار افراد کا نہیں۔ شہر میں کم و بیش پچاس لاکھ افراد یوم یہ بیواد پر سفر کرتے ہیں۔ جو معاشری سرگرمیوں کے حوالے سے زیادہ دور تک نہیں جاتے انہیں بھی دیگر امور کی انجام دہی کے لیے گھر سے نکلا جاتا ہے۔ لاکھوں افراد کے لیے شہر میں طویل

بہتر تو بھی دکھائی دیتا ہے کہ کراچی کے بارے میں ملک کی اعلیٰ ترین سطح پر کچھ سوچا جائے اور جو کچھ سوچا جائے اُس پر عمل بھی کیا جائے۔ جن سے کچھ امید اور توقع تھی انہوں نے ہمیشہ وعدے اور دعوے کیے۔ جب ضرورت پڑی تب وہ کہیں بھی دکھائی نہیں دیے۔ لوگ اپنے مسائل کا حل تلاش کرتے ہی رہ گئے۔ بہت کچھ ہے جو اس شہر کے لوگ خود ہی کر لیتے ہیں۔ ایسے میں سرکاری شیزی کی طرف سے برائے نام مدد کی توقع ہوتی ہے۔ وہ بھی پوری نہیں ہو پاتی۔ جنہیں دوست کے ذریعے منتخب کر کے شہر کو سنبھالنے اور چلانے کا مینڈنگ دیا جاتا رہا ہے انہوں نے بھی کبھی نہیں سوچا کہ تھوڑی سی توجہ مرکوز کرنے سے بہت سے مسائل ایک طویل مدت کے لیے عمل ہو سکتے ہیں۔

باقیہ: بیروت و دھماکا

سامان کی گلری تھی۔ انہوں نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے بتایا کہ پانی سامان میں جا کر اسے خراب نہ کر دے سامان خلک رہے۔ اگر آپ کشتی میں رہ ہوں تو اس کی دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے، آپ نہیں پا جائے کہ کشتی ڈوبے۔ کشتی کے عملے نے قانونی کارروائی کو مکمل کرنے کے لیے فوول کوچھ کر قدم ادا کی، عدالتی کارروائی مکمل ہونے میں تین میٹنے لگے۔ بنانا کے دھکا منے عملہ کو رہا کروایا۔

Boris Prokoshev نے حیری بتایا کہ ہم نے تمام کپاٹیٹ کے انہیں تالا لگایا اور جایاں بندرگاہ پر موجود امیرگوش کے حوالے کر دیں "آئی اٹی ڈبلیو ایف" کے مطابق Boris Prokoshev اور ان کے ساتھ عملے نے ستمبر ۲۰۱۳ میں بیروت چھوڑ دیا تھا۔ کشتی کے مالک نے عملے کے اڈیا تک کے سفر کے اخراجات ادا کیے، کمپنی کے مطابق اس اڈیگی کے بعد بھی کشتی کے مالک پر ۲۰،۰۰۰ ڈالر خواہ کی دہ میں واجب لادا تھے۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد شاید خطرناک دھماکا کا خیز مواد کشتی سے ہٹا لیا گیا۔ Boris Prokoshev کے مطابق کشتی پانی میں کھڑے کھڑے بالآخر ڈوب گئی۔ تجزیہ کارروں کے مطابق روکس دھماکے کی جگہ سے ایک میں سے بھی ایک تھائی کم فاسطے پر پانی میں تھی، اٹلی جنس کے ریکارڈ کے مطابق کشتی پانی میں سائل کے قریب ہی فروری ۲۰۱۸ میں ڈوب گئی تھی۔ (---جاری ہے) (متجم: سیدہ خنزیر "The inferno and the mystery ship". "bbc.uk". August 8, 2020)



لیے ما فیاز کا طسمات ختم کرنا گزیر ہے۔ کراچی کے کچھ بھی کرنے کے لیے تیار ہیں۔

اب آئیے اس سوال کی طرف کہ کراچی کا قبلہ اور حلیہ درست کیسے ہو گا۔ کیا موجودہ اسٹیک ہولدرز اس شہر کو یار گا و روضہ دینے میں کامیاب ہو سکیں گے؟ اور اس سے بھی بڑا سوال یہ ہے کہ کیا وہ ایسا کرنا جائے ہیں کہ کراچی میں حقیقی ترقی اُسی وقت ہو سکتا ہے جب انہیں دو دوست کی روٹی کے انتظام کی فکر و کوشش سے بلند تر سطح پر پہنچنے کے قابل بنا جائے۔ کراچی میں عام آدمی بیوادی مسائل کا حل چاہتا ہے۔ کوئی بھی لظم اس منزل تک پہنچنا ممکن بنا دے تو باقی کام لوگ خود کر لیں گے۔ وہ حکومت سے روزگار بھی نہیں مانگتے۔ لوگ معاشی نگہ دو دوست کے عادی ہیں۔ مسئلہ بیوادی مسائل کے حل کا ہے۔ اگر بیوادی مسائل حل ہو جائیں تو معاشی جدوجہد کے ذریعے وہ زندگی کا معیار بلند کرنے میں کامیاب ہوں گے۔

کم و بیش ہر معاملے میں شہر کو ما فیاز نے جائز رکھا ہے۔ لازم ہے کہ ما فیاز کے بچھائے ہوئے جاں توڑے جائیں۔ شہر کی نسبتی یہ ہے کہ پینے کا پانی تک خربہ ناپڑ رہا ہے۔ بھی حال دوسرا بہت سی بیوادی چیزوں کا بھی ہے۔ جزیئر اور یو پی ایس ما فیا نے بکلی کی لوڈ شیڈنگ برداشت کو معاملات کو مزید خرابی سے دوچار کیا تاکہ لوگ جزیئر اور یو پی ایس خریدنے پر مجبوہ ہوں۔ ذیری ما فیا دودھ کے دام اپنی مرضی کے مطابق بڑھاتی رہتی ہے۔ یہی حال گوشت، سبزی اور چکول کا بھی ہے۔ کراچی کو حقیقی معنوں میں ترقی سے ہم کنار کرنے کے

اسلامک ریسرچ اکیڈمی کی نئی کتاب

اوراق سیرت

مولانا سید جمال الدین عربی

تیکت: ۰۰۰۴۰۷

اسلامک ریسرچ اکیڈمی کوچپنی

اکیڈمی بلک سینٹر، D-35، بلاک ۵۔
فیڈرل بی ایریا، کراچی۔ فون: 021-36809201

کے ساتھ ساتھ حقیقت میں الاقوامی یا عالمی انداز کا شہر بنانا بھی ممکن ہو سکے گا۔

یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ کراچی کو معمولی نویت کی منصوبہ سازی سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ اگر شہر کو واقعی باقی ملک کے لیے زیادہ سودا مند بنانا ہے تو لازم ہے کہ جامع منصوبہ بندی کی جائے۔ ایسا اُسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ واقعی اور بنیادی زمینی حقیقتوں کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ کراچی کے حوالے سے کوئی بھی بڑی حقیقت تبدیلی اُسی وقت تینی بنا کی جاسکتی ہے جب عوام کے تمام مسائل کا باریک نہیں سے جائزہ دیا جائے۔

کراچی کے مسائل گونا گون ہیں۔ اُنہیں ڈھنگ سے حل کرنے کے لیے پس مظفر کا جانتا لازم ہے۔ پس مظفر سمجھے بغیر مسائل کے حل کی راہ نکالی نہیں جاسکتا۔ عمران خان اور ان کے رفتہ اگر واقعی کراچی کے مسائل حل کرنا چاہتے ہیں تو منصوبہ بندی پر غیر معمولی توجہ مرکوز کریں تاکہ مسائل کا درپاٹ حل تلاش کیا جاسکے۔ سب سے بڑھ کر نیت کا خلاصہ لازم ہے۔

کراچی کے حوالے سے تحریر نمایاں ہوتا جا رہا ہے۔ آری چیف نے کیم تجبر کو کراچی کا دورہ کیا۔ انہوں نے بارش سے متاثرہ علاقوں کا دورہ کر کے معاملات کا جائزہ لیا۔ وزیر اعظم عمران خان کو بھی کراچی کا دورہ کر کے حالات کا جائزہ لیتا ہے۔ ان سطور کے ضبط تحریر میں لائے جانے تک دورہ نہیں ہوا تھا تاہم تیاریاں جاری ہیں۔

اسلامک ریسرچ اکیڈمی کی نئی کتاب

اول صدیقی بیان

سیاستِ سیدِ الابرار



میرزا حسین

اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی

لکیڈمی بک سینٹر، D-35، بلاک-5
فیڈرل بی ایسیا، کراچی۔ فون: 021-36809201

بات ہے۔ شہر جس حالت میں ہے اُس نے شہریوں کو روایتی اسٹیک ہولڈر سے اتنا بیوس کر دیا ہے کہ اب اگر کوئی اور کچھ کرنا چاہے تو اہل شہر میں سے کسی کو بھی کچھ خاص اعتراض نہ ہو گا۔ وزیر اعظم عمران خان نے چیر اسٹر اگست کو ایک اور اجلاس کی صدرارت کرتے ہوئے کہا کہ ایک طویل المیعاد پلان کے ذریعے کراچی کوئی زندگی دی جائے گی۔ وزیر اعظم نے کہا کہ ”کراچی زانغفار ٹشن پلان“ پر کام ہو رہا ہے کیونکہ کراچی کے مسائل پر آنکھیں بند نہیں کر سکتے۔ شہر کی اپ گرینیشن لازم ہے۔ کراچی کے معاملات کو جوں کا تو ملک ترقی کرے گا۔ اب کراچی کے معاملات کو جوں کا تو ملک ترقی کرے گا۔

اب وفاق نے کھل کر بہت کچھ کہنا شروع کر دیا ہے۔ سندھ حکومت کہتی ہے کہ وفاق نے فنڈ روک رکھے ہیں۔ وفاق کہتا ہے کہ سندھ حکومت کو جو فنڈ دیے گئے وہ اُس نے ڈھنگ سے برائے کارالانے پر توجہ نہیں دی۔ اس کے نتیجے میں فنڈ کی خود رو رہوئی اور لوگوں کے بنیادی مسائل جوں کے توں رو رہ گئے۔ سندھ کی حالت ایک زمانے سے دگر گوں ہے۔ جو کچھ اہل سندھ کو بھگلتا پڑ رہا ہے اُسے دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صوبائی حکومت پر کسی بھی حوالے سے زیادہ بھروسائیں کیا جاسکتا۔ وفاق کا موقف بہت حد تک درست ہے۔ دیگر صوبوں کے مقابلے میں سندھ کی حالت زیادہ خراب ہے۔ یہاں کریشن کا معاملہ بہت ہی بگرا ہوا ہے۔ پہنچ پارٹی سے ایک بڑی شکایت یہ ہے کہ وہ سندھ کے شہری علاقوں کو سلسل نظر انداز کر رہی ہے۔ اور دوسری طرف دیہی سندھ کو کچھ خاص نہیں مل رہا۔ پہنچ پارٹی ایک زمانے سے سندھ کا رکھیل کروٹ ہیں کو برقرار رکھتی آئی ہے۔

گے تو کوئی اور آکر کرے گا۔ فسوس ناک حقیقت یہ ہے کہ وفاق کے پاس فنڈ ہوتے تب بھی سندھ حکومت کو نہ دیے جاتے۔ بارہ برس میں سیکلوں ارب روپے دیے گئے مگر کوئی بھی کام نہیں ہوا۔ تعلیم و صحیح عامہ کا حال برآہی ہے۔ لوگوں کو یومیہ سفر کے لیے بہت تکلیف برداشت کرنا پڑتی ہے۔ صفائی کا معاملہ اب تک رلا ہوا ہے۔ پانی کی فراہی و نکاسی کا معاملہ اب تک درست نہیں کیا جا رکا۔ سڑکیں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔ پلوں اور قلنی اور کا حال بھی سب کے سامنے ہے۔ جب بھی کوئی مشکل کھڑی ہوتی ہے، سیاسی انتقام کی بات کی جاتی ہے۔

اہل شہر اس زیادہ شریح صدر کے ساتھ وفاق کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اُنہیں امید ہے کہ وفاق کے تحت کوئی سیٹ اپ لائے جانے کی صورت میں کراچی کو صاف سفر کرنے

اہل کراچی نے حالیہ بارشوں کے نتیجے میں جو باتیں بھیل ہے اُس کے نتیجے میں یہ سوچ پھر پر وان چڑھی ہے کہ شہر کو اب کوئی اور ہی سنبھالے تو اچھا ہے۔ وفاق کی مکمل مدعا مغلت سے کبھی دل خوف سامنے کیا کرتے تھے۔ اب خیال آتا ہے کہ شاید اس سے کچھ بہتری ہی رونما ہو۔ یوں بھی جب

معاملات جوں کے توں رہنے دیے جا رہے ہیں تو وفاق کو مخالفت کے بارے میں سوچنا ہی پڑے گا۔ اور سوچا جا رہا ہے۔ وزیر اعظم عمران خان نے بھی چند نوں میں کسی بارہ کہا کہ اب کراچی کے معاملات کو جوں کا تو ملک ترقی کرے گا۔ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔ ۲۸ اگست کو انہوں نے ایک اجلاس میں کہا کہ کراچی کے معاملات کو یونیورسٹی نہیں چھوڑا جاسکتا۔ وفاق کہتا ہے کہ سندھ حکومت کو جو فنڈ دیے گئے وہ اُس نے ڈھنگ سے برائے کارالانے پر توجہ نہیں دی۔ اس کے نتیجے میں فنڈ کی خود رو رہوئی اور لوگوں کے بنیادی مسائل جوں کے توں رو رہ گئے۔ سندھ کی حالت ایک زمانے سے دگر گوں ہے۔ جو کچھ اہل سندھ کو بھگلتا پڑ رہا ہے اُسے دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صوبائی حکومت پر کسی بھی حوالے سے زیادہ بھروسائیں کیا جاسکتا۔ وفاق کا موقف بہت حد تک درست ہے۔ دیگر صوبوں کے مقابلے میں سندھ کی حالت زیادہ خراب ہے۔ یہاں کریشن کا معاملہ بہت ہی بگرا ہوا ہے۔ پہنچ پارٹی سے ایک بڑی شکایت یہ ہے کہ وہ سندھ کے شہری علاقوں کو سلسل نظر انداز کر رہی ہے۔ اور دوسری طرف دیہی سندھ کو کچھ خاص نہیں مل رہا۔ پہنچ پارٹی ایک زمانے سے سندھ کا رکھیل کروٹ ہیں کو برقرار رکھتی آئی ہے۔

گہرائی پر بیان کی تھا کہ صوبائی سطح پر بھی ڈرامہ میختہ اتنا ہی موجود ہے۔ جنہیں کچھ کرنا ہے اگر وہ نہیں کریں گے تو کوئی اور آکر کرے گا۔ فسوس ناک حقیقت یہ ہے کہ جب کراچی میں موسلا دھار باریں ہو رہی تھی اور علاقوں پر علاقے ڈوبتے جا رہے تھے تب بھی یہیں گم گم تھا نہیں تھا۔ ایم کیو ایم کہری تھی کہ شیر قائد کو پہنچ پارٹی نے بر باد کیا۔ پہنچ پارٹی کا کہنا تھا کہ ایم کیو ایم کو فنڈ بھی دیے اور اختیارات بھی گھر اُس نے اپنے حصے کا کام نہیں کیا۔ دوسری طرف ایم کیو ایم کا کہنا تھا کہ صوبائی حکومت نے کبھی اختیارات دیے نہ فنڈ۔ اگر ایسا کیا گیا ہوتا تو ضرور کچھ کام کیا جاتا۔ عوام کے لیے مخصوص بڑھ گیا۔ کس کی نمائیں، کس کی نہ نمائیں؟ ڈھانی عشروں میں بھی یہ مخصوص بڑھ گیا کہون جھا ہے اور کون جھوٹا۔

اب دوچاروں میں کوئی کیا غور کرے اور کسی نتیجے تک پہنچ۔ کراچی کے متعدد معاملات کو وفاق کے حوالے کرنے کی باتیں خاصے نمایاں انداز سے کی جانے لگی ہیں۔ یہ نظری سی